دفتر اول

درس ششم

نے حدیث راہ پر خوں می کند
قصہ ہائے عشق مجنوں می کند

بانسری خطرناک راستے کی بات کرتی ہے، مجنوں کے عشق کے قصے بیان کرتی ہے۔

حدیث: قصہ/بات۔ **راہ پرخوں:** خطرناک راستہ۔

مجنوں: امراء القیس، (قیس عامری) عرب کے مشہور عاشق کا لقب ہے۔

دو دھاں داریم گویا ہمچونے
یک دھاں پنہاں ست در لبھائے وے

بانسری کی طرح گویا ہم بھی دو منہ رکھتے ہیں۔ ایک منہ اُس کے لبوں میں چھپا ہوا ہے۔

دو دھاں: بانسری کا ایک منہ بانسری بجانے والے کے منہ میں چھپا ہوا ہے۔ اس کے دوسرے منہ سے جو آواز برآمد ہوتی ہے دراصل وہ بانسری بجانے والے ہی کی ہے۔ اسی طرح ہمارے جملہ کام مشیت ایزدی کی وجہ سے ہیں۔

یک دھاں نالاں شدہ سوئے شما
ہائے و ہوئے در فگندہ در سما

ایک منہ روتا ہوا تمھاری جانب ہے۔ آسمان میں شور وغل مچائے ہوئے ہے۔

ہائے و ہو: شور وغل

لیک داند ہر کہ اُو را منظرست
کایں فغان ایں سرے ہم زاں سرست

لیکن جسے آنکھ میسر ہے وہ جانتا ہے کہ اُس سرے کی آہ وفریاد اسی جانب کی ہے۔

ایں فغان: بانسری کے ظاہری سوراخ سے جو فریاد برآمد ہو رہی ہے اور وہ اُس شور وغل کی آواز ہے جو بانسری بجانے والے کے منہ میں چھپا ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ.

() النور، ۲۴: ۳۷

(اللہ کے اس نور کے حامل) وہی مردانِ (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید وفروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے۔

انتہائی قابلِ احترام سامعین و ناظرین! گزارش ہے کہ آج یہ مثنوی شریف کے درس کی چھٹی محفل ہے اور الحمد للہ سامعین و حاضرین کی دلچسپی کی بناء پر ہر درس لطف و کیف میں، محبت و سوز و گداز میں روز بروز دل و دماغ اور روحوں کو متاثر کرنے اور روز بروز اپنی کامیابیوں میں فزوں تر اثرات دکھا رہا ہے۔ کل کی محفل میں جو تذکرۂ ہجر جس انداز و محبت سے چھیڑا گیا تھا اُس کی انتہا پر بانسری کی اپنی ایک بات محبّ کی، عاشق کی اپنی ایک کہانی حضرت جناب رومیؒ کے قلم کی زبانی اُس کو پھر تھوڑا سا اظہار کا موقع مل رہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: یہ جو راہِ محبت ہے:

زنہار از ایں بیابان وین راہ نہ بی نہایت

کہ جس راہِ محبت میں آپ نے قدم رکھا ہے یہ مت سوچنا کہ چند میل چلو گے چند راتیں گزارو گے، چند سال بسر ہوں گے تو آپ منزل پہ پہنچیں گے اور وہاں محبتوں کے نظارے لوٹو گے یہ خیال نہ کرنا۔

زنہار از ایں بیابان وین راہ نہ بی نہایت

تم اُس راہ کے مسافر ہو جس کی منزل کی انتہا نہیں ہے اور اس کیفیت کو غالباً حضرت سعدیؒ اس قول میں بیان فرماتے ہیں:

در ایں ورطہ کشتی فروشد ہزار
کہ پیدا نشد تختہ ای بر کنار

کہ جس دریا میں آپ شناوری کرنے کے لیے آ رہے ہیں یہاں بڑے بڑے قافلے ڈوبے ہیں اور آج تک اُن کی کشتیوں کے تختے نہیں ملے۔

اور جناب میاں محمد بخشؒ یہ ساری کیفیت دیکھنے کے بعد اپنے پیارے اور اچھوتے انداز میں عاشقوں کو ایک سبق دینا چاہتے ہیں کہ:

پکا پیر دھریں جے دھرنا تلک نہیں مت جاوے
جو اس پاسے جاوے محمد سو سر بازی لاوے

تو جناب رومیؒ یہ قصہ چھیڑنے کے بعد بڑے پیار سے فرماتے ہیں:

نے حدیث راہ پرخوں می کند
قصہ ہائے عشق مجنوں می کند

قصہ چھیڑتی ہے یہ بانسری محبوب، محبّ، عاشق، ہجر یار کی تلخیوں کے تیر سے چھلنی شدہ دل لے کے پکارنے والے کس راہ پہ چلے ہو؟ وہ ایک قافلے کو دیکھتے ہیں روتے روتے اٹھتے، گرتے اور فریاد کرتے چلتے ہیں ہائے محبوب کہاں گیا؟ یہ دن جو جدائی میں گزر رہے ہیں ہائے محبوب کیوں نظر نہیں آتا؟ اب جو تڑپتے جا رہے ہیں تو وہ عاشق کہہ رہا ہے۔ بانسری تو کہہ ہی رہی ہے عاشق کہہ رہا ہے:

نے حدیث راہ پرخوں می کند

ادھر تو قدم قدم پر خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ یہاں تو قدم قدم پر سر کے نذرانے دینا پڑتے ہیں۔ اس طرف آؤ گے؟ جانتے نہیں ہو مجنوں کے ساتھ کیا گزرا تھا؟ اگر اتنا حوصلہ نہیں تو کیا یہ مذاق سمجھ رکھا ہے؟ اور مجنوں بھی دیکھو یہ تو بادشاہ زادہ تھا۔ اس کا اصل نام امراء القیس ہے اور یہ حضرت امام حسنؓ کا رضاعی بھائی تھا، کوئی معمولی آدمی تھوڑا ہی تھا۔ اتنی بلند حیثیت کا مالک جب لیلیٰ پہ نظر پڑی تو حیثیت گم کر گیا۔ لیلیٰ پہ نظر گئی تو دل گیا۔ لیلیٰ پر نظر گئی تو امراء القیس نام مٹ گیا اور مجنوں بن گیا۔ تو فرمایا: مجنوں بننے کی طاقت ہے تو آؤ ورنہ گھر ہی بیٹھے رہو۔ یہ جو عشق عشق کا نام تم بار بار لے رہے ہو اس کے لیے تو خون کی ندیاں پار کرنا پڑتی ہیں۔ خون کی ندیاں عبور کرنا پڑتی ہیں۔

نے حدیث راہ پر خوں می کند
قصہ ہائے عشق مجنوں می کند

آپ نے دیکھا نہیں کہ آگ اور خون کے دریا کس طرح پار کر رہے تھے؟ کس طرح عبور کر رہے تھے؟ ابتدا پہ نظر کرو کس طرح آگ کا دریا عبور کیا ہے حضرت بلالؓ نے؟ کس قدر وہ جلیل القدر صحابہؓ آگ اور خون کے دریا عبور کرتے رہے۔ جسم چھلنی نہیں ہو گئے؟ جسم چر نہیں گئے؟ سر نیزے پہ تل نہیں گئے؟ جسم کی

ہڈیاں ٹوٹ نہیں گئیں؟ لیکن مزاجِ یار سے یہی آواز آتی ہے: اللہ و رسولہ، اللہ و رسولہ ہمارا اگر کوئی محبوب ہے وہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہے۔ زندگی کی کوئی منزل ہے تو بارگاہِ رسول ﷺ ہے اور زندگی کی انتہا ہے تو درِ خدا ہے۔ یہ اتنے جذبات لے کے جو چلے آئے ہیں آج جو اس جہاں میں مستی موجود ہے بانسری والے فرماتے ہیں: اب بھی جو عشق کی مستی موجود ہے ہمیں تو وہ عاشق نظر نہیں آتے لیکن عشق کی آگ کہیں کہیں لگی ہوئی ضرور ہے۔ کہیں کہیں عشق کی آگ لگی ہوئی ہے۔ یہ جو دھواں اٹھ رہا ہے یہ عاشقوں کے جلتے دلوں کا دھواں ہے۔

آگے جا کے وہ بڑی پیاری بات کہتے ہیں۔ اس موقع پر جب آدمی چلتا ہے نا تو پھر آرام، بے آرامی، دکھ، سکھ، عیش، آرام، دولت، ثروت، امارت، ماں باپ، بیوی بچے، اولاد، دولت، رشتہ داری، تجارت، وزارت، حکومت طمطراق و شان و شوکت یہ سب کچھ چھوڑ کر صرف اور صرف زندگی کا ماحصل کیا ہے؟ اِک محبوب کی نگاہ اور درد سے پکار اٹھتے ہیں:

تیری اِک نظر کی قیمت میری ساری زندگانی

میرے محبوب! ایک دفعہ تو دیکھ لے مجھے اپنی زندگی کا نشہ ہی مل جائے گا اور میں چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے اپنے محبوب کو دیکھنے کے بعد جو میرے عقل و روح اور دل میں نشہ اترے گا میں اُس نشے کو کفن بنا کر قبر میں جانا چاہتا ہوں۔

اور آگے جا کے اب یہ بانسری بڑے پیار سے کیفیت کا اظہار کرتی ہے کہ مجھے اس طرح نہ دیکھو میرے دو منہ ہیں۔ لوگ بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک عام ہیں اور ایک خاص۔ اور منہ بھی دو قسم کے ہیں۔ میرا ایک منہ میرے محبوب کے لبوں کے اندر ہے۔ میرا منہ، میرے لب، میرے محبوب کے لب سے دونوں ملے ہوتے ہیں اور جب وہ سانس لیتا ہے تو فریاد اور جب یہ سانس لیتا ہے تو راگ الاپتے ہیں اور جب وہ سانس لیتا ہے وجدانی کیفیت سے آوازیں آتی ہیں۔ عوام جہاں سے آوازیں نکالتی ہے وہ یہ سمجھتے ہیں یہی منہ ہے اور خواص یہ جانتے ہیں کہ جہاں محبوب کے لب لگے ہوئے ہیں، ہونٹ پیوست ہیں وہ اصل منہ ہے۔ اب اس حقیقت کو بیان کرنے کے بعد بانسری کہتی کیا ہے؟

دو دھاں داریم گویا ھمچونے

یہ بانسری دو منہ رکھتی ہے۔ یہ جو عاشق ہیں ان کے متعلق کیا خیال ہے۔ یہ جو مر گئے ہیں ان کے متعلق کیا خیال ہے؟ یہ جو تڑپ تڑپ کے راتیں بسر کر رہے ہیں ان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ کون ہیں؟ وہ فرماتے ہیں: عاشق جس بانسری کے دو منہ ہیں اللہ کے محبّ عاشق ان کے بھی دو منہ ہیں:

دو دھاں داریم گویا ھمچونے

یک دھاں پنہاں ست در لبھائے وے

ہمارے بھی دو منہ ہیں اور عاشق کہتا ہے محبّ محبوب دونوں مل کر جب بولتے ہیں تو وہ بانسری کی مثال دیتے ہیں کہ لوگو! جوتم بانسری کے دو منہ ثابت کرتے ہو نا وہ واقعی ہیں۔ ہمارے بھی دو منہ ہیں۔ حضرات! یہ کیفیت کی بات ہے اور یہ یاد رکھنے کی بات ہے۔ عاشق کہتا ہے محبّ کہتا ہے۔ طالب کہتا ہے مقصود کے ساتھ ملکر۔ محبّ کہتا ہے مطلوب کے ساتھ مل کر۔ عاشق کہتا ہے معشوق کے ساتھ مل کر۔ بندہ کہتا ہے بندہ نواز کے ساتھ مل کر اور ساجد کہتا ہے مسجود کے ساتھ مل کر۔ عابد کہتا ہے معبود کے ساتھ مل کر اور انسان کہتا ہے اپنے رب کے ساتھ مل کر۔

بانسری جس طرح دو منہ رکھتی ہے عاشقوں کے بھی دو منہ ہیں۔ اگر دنیا دار کے بھی دو منہ ہوں تو اس کو منافق کہتے ہیں۔ دنیا دار کے، غافل کے، بدعمل کے، جھوٹے کے اگر دو منہ ہوں اس کو منافق کہتے ہیں اور صوفی عاشق ہو اُس کے واقعی دو منہ ہوتے ہیں ایک منہ قرب کی منزل میں ہوتا ہے اور دوسرا منہ خلق خدا کو فیض دینے میں لگا رہتا ہے۔

تو یہ مثال دیتے ہیں کہ جیسے بانسری کے دو منہ ہیں نا ایک منہ لبوں کے اندر ہے وہاں سے سانس چلتی ہے، پھونک لگتی ہے تو آگے سے آواز نکلتی ہے۔ اسی طرح پکے عاشق، بندگان خدا، بندگان خاص، مقربین اللہ جتنے بھی لوگ ہیں فرق اتنا ہے ایک منہ ظاہر ہے ایک منہ باطن ہے۔ ایک نظر آتا ہے اور ایک نظر نہیں آتا۔ جو منہ نظر آتا ہے یہ نظر آنے والوں کے لیے ہے اور جو نظر نہیں آتا وہ نہ نظر آنے والوں کے لیے ہے۔ دیکھو انسان نظر آتے ہیں، جن نظر آتے ہیں، وحوش نظر آتے ہیں، طیور نظر آتے ہیں، آسمان نظر آتا ہے، ستارے نظر آتے ہیں، چاند نظر آتا ہے، مہتاب نظر آتا ہے، دریا نظر آتا ہے، صحرا نظر آتا ہے، ہوا نظر آتی ہے، صفوف سماء نظر آتا ہے، ذرّے نظر آتے ہیں۔ یہ جو زبان ہماری دیکھتے ہو یہ ان کے لیے ہے جو نظر آتے ہیں۔ ظاہر کے لیے ظاہر کی زبان ہے اور باطن کے لیے باطن کی زبان ہے۔ اندر کی زبان محبّ محبوب سے ملتی ہے۔ جب یہ دونوں بولتے ہیں تو پھر ظاہر کی زبان کھلتی ہے۔

حضرات! میں یہاں ایک بہت بڑی خوبصورت بات کہنے لگا ہوں ہوسکتا ہے یہ آپ پہلی دفعہ سنیں گے۔ میں نے بھی پہلی دفعہ پڑھی ہے۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں: کافر کے گھر مرغا ہو، مسلمان کے گھر ہو، سکھ کے گھر ہو، ہندو کے گھر ہو، یہودی و نصرانی کے گھر ہو مسلمان، صوفی، عالم، مولوی، تاجر، عورت، مرد انھوں نے مرغے پالے ہوتے ہیں۔ یہ نہ پوچھ کے بولتا ہے اور نہ ہی پوچھ کے چپ ہوتا ہے اپنی مرضی کرتا ہے۔ بولتا ہے اپنی مرضی سے۔ پہلے پھڑ پھڑتا ہے، پھڑ پھڑانے کے بعد بولتا ہے اور اسے آپ دور کرنا چاہو، چپ کرانا چاہو وہ بھاگے گا مگر بولتا ہوا بھاگتا جائے گا۔ وہ چپ نہیں کرے گا، کیوں؟ مفسرین کرام نے بیان فرمایا:

اِنَّ للهِ دِیْکٌ.

کہ انسانو! آپ نے مرغے رکھے ہیں خدا کا بھی ایک مرغ ہے۔ اُس کے پاؤں زمین پر ہیں اور اُس کا سر عرشِ عظیم کے ساتھ لگا ہوا ہے اور اُس کے پَر مشرقین و مغربین میں ہوتے ہیں اور ہر پَر اور ہر عضو پر لکھا ہوتا ہے اللہ، اللہ، اللہ۔ اُس کے سارے جسم پر اللہ لکھا ہوتا ہے۔ اور جب ظہر کا وقت ہوتا ہے، سحری کا وقت ہوتا ہے تو یہ پرندہ آہستہ سے پَر سمیٹتا ہے۔ جب یہ مرغ پَر سمیٹتا ہے تو ساری دنیا میں جتنے مرغ ہوتے ہیں وہ پھڑپھڑانا شروع ہو جاتے ہیں اور جب مرغ اذان دیتا ہے، اللہ اکبر کہتا ہے تو پھر یہ سارے مرغ بولنا شروع ہو جاتے ہیں۔

() طبراني، المعجم الأوسط، ۴: ۲۹۷
ہندی، کنزالعمال، ۴۲۳۵۸

حضرت ثوبانؓ سے بھی اسی سے ملتی جلتی روایت کتب میں موجود ہے۔ اندازہ لگاؤ کہ دنیا کے جتنے مرغ ہیں کوئی مشرق میں ہے، کوئی مغرب میں ہے، کوئی شمال اور کوئی جنوب میں ہے۔ کوئی فضا میں کوئی کہاں ہے۔ کوئی جنگلوں میں ہے، کوئی صحراؤں میں ہے، کوئی دریاؤں کے کنارے ہے، کوئی بستیوں میں ہے، کوئی شہروں میں ہے، کوئی دیہاتوں میں ہے کوئی کہاں ہے کوئی کہاں لیکن انہیں اپنا وقت معلوم ہے۔ نہ ان کے پاس کوئی گھڑی ہے اور نہ ہی کوئی آ کے بتاتا ہے کہ وقت ہو گیا ظہر کا۔ نہ ہی اُن کا تعلق اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ حرکت کرتا ہے تو یہ حرکت کرتے ہیں وہ بولتا ہے تو یہ سارے بولتے ہیں۔

اگر مرغ مرغ کی اطاعت میں اتنا قریب چلا گیا کہ اُس کی ہر حرکت پر مرغ حرکت کرتے ہیں تو تو خدا تعالیٰ کا عاشق ہے۔ ساری کائنات کیا یہ تو فرشتوں سے بھی برتر ہے۔ جب اس کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے تو پھر یہ خدا کی مرضی کے سامنے رہتا ہے۔ جیسے مرضی خدا کی ایسے حرکت اس کی۔ وہ جو اندر کی زبان ہے یہ براہِ راست خدا کی زبان ہے۔ خدا بولتا ہے تو یہ بولتے ہیں۔ خدا نہیں بولتا تو یہ نہیں بولتے۔ اسی لیے فرمایا: میرے محبوب!

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰیo اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰیo

() النجم، ۵۳: ۳-۴
اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتےo اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتا ہے جو انہیں کی جاتی ہےo

کب میرا محبوب اپنی مرضی سے بولتا ہے وہ تو میری مرضی کا شاہکار ہے۔ ہم بولتے ہیں تو وہ بولتا ہے۔ ہم اشارہ کرتے ہیں تو وہ چلتا ہے۔ ہم ارادہ کرتے ہیں تو وہ بیدار ہوتے ہیں اور جب ہم بولتے ہیں تو وہ

بولنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور یہاں کسی نے بہت خوبصورت بات کی ہے۔

ہے تیری آواز آوازِ خدا
اور خاموشی تیری رازِ خدا

جب بولتے ہیں تو گویا خدا بول رہا ہے اور جب آپ چپ ہوتے ہیں یہ کوئی خدا کا راز ہے کہ آپ ﷺ نہیں بولتے۔

ہے تیری آواز آوازِ خدا
اور خاموشی تیری رازِ خدا

بڑی خوبصورت بات کی آپ نے۔ عارف کامل کا کلام ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں:

تھے لب شیریں لب دریائے ذات
اس لیے ہر بات تھی آبِ حیات

میں اس کی تھوڑی تشریح کرنا چاہتا ہوں۔

تھے لب شیریں لب دریائے ذات

کوئی دریا ایسا دیکھا ہے آپ نے کہ جس کا کنارہ نہ ہو؟ ہو دریا اور اُس کے دو کنارے نہ ہوں؟ کوئی دریا آپ نے دیکھا نہ ہوگا، سنا بھی نہ ہوگا اور دریا ہوتا بھی نہیں۔ دریا ہوتا ہی وہ ہے جتنا بھی چوڑا ہو دو کنارے کے اندر رہتا ہے۔ حقیقت جاننے والے نے کہا: میرے محبوب! آپ جب بولتے ہیں اور آپ کے لب مبارک جب کھلتے ہیں تو ان کے درمیان کا جو فاصلہ ہے نا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خدا کی رحمت کے دریا کے دو کنارے ہیں۔ سمجھو! یہ باریکی یہ نزاکت سمجھو!

تھے لب شیریں لب دریائے ذات

گویا یہ آپ کے اپنے لب نہیں ہیں، یہ خدا کی رحمت کے دریا کے دو کنارے ہیں۔ یہ خدا کی رحمت کا جو دریا ہے اُس کے دو کنارے ہیں۔ تو اندازہ لگاؤ کہ جب رحمت جوش میں آئے، جب دریا لہریں اچھالنے لگے، جب دریا طغیانی میں آئے تو کیا وہ کائنات کو سیراب نہیں کرتا؟ تو جب خدا کی رحمت جوش میں آتی ہے، جب خدا کی رحمت کائنات کو اپنے اندر لپیٹنا چاہتی ہے تو اُس وقت نبی پاک ﷺ کے لب آہستہ کھلتے ہیں۔ گویا خدا کی رحمت کا دریا جوش میں آ گیا ہے۔

اس خوبصورت بات کو چھیڑتے ہوئے ایک اللہ رب العزت کے مقبول بندے نے کہا کہ یہ دو زبانیں

ہیں ایک باہر والی اور ایک اندر والی۔صرف زبان ہی نہیں ہے ایک نظام جدا ہے اندر کا باہر کا۔اندر کا سارا نظام (جو کاملین ہوتے ہیں) اُن کا تعلق اپنے محبوب کے ساتھ متصل ہوتا ہے۔ خدا کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔ خدا جیسے چاہے جسم وہیں ہوتا ہے۔جسم ظاہر کا ایک جگہ ہو اور جسم اندر کا سینکڑوں جگہ پہ کام کرتا ہے مشرق میں، مغرب میں، شمال میں جنوب میں، عرش پر، فرش پر۔ جہاں بھی کائنات میں دیکھو وہ اندر کا نظام سارے جہاں کی سیر کرتا ہے اور باہر کا ایک جگہ قائم رہتا ہے۔ حدیث پاک سنئے اس کی دلیل کے طور پر۔

جناب سید الانبیاء ﷺ نماز پڑھا رہے تھے۔نماز پڑھتے پڑھتے آپ ﷺ مصلیٰ شریف سے دو قدم آگے چلے گئے اور ہاتھ فضا میں یوں آگے بڑھایا ہاتھ کھولا، بند کیا پھر کھولا، لوٹ کے واپس آئے الٹے قدم۔مصلے پر تشریف لائے۔نماز ختم ہوئی، حاضرین متحیر تھے۔قانون بدل گیا، حالت بدل گئی ہے؟ ماجرا کیا ہے؟ آخر جب تحیر دیکھا تو سرور عالم قاسم جنت وکوثر ﷺ سے ایک عاشق زار مؤدب صحابیؓ نے پوچھ لیا سرکار دو عالم ﷺ یہ قصہ کیا ہے؟ یہ معاملہ کیا ہے؟ فرمائیں گے۔ نبی پاک ﷺ فرمانے لگے:

میرے صحابیو! میں نماز پڑھ رہا تھا آپ بھی نماز پڑھ رہے تھے میں جنت میں تھا۔تو پھر آپ ﷺ نے ہاتھ آگے کیا کچھ پکڑا اور چھوڑ دیا؟ ہاں ہاں میں نے انگور کے بڑے بڑے خوشے دیکھے گچھے دیکھے انگور کے۔ میں نے اُن کو ہاتھ ڈالا بہت خوبصورت بہت پکے ہوئے، بہت دلکش، بہت دیدہ زیب اور بہت دل آویز، دیدہ زیب اور دلکش۔ میں نے ہاتھ ڈالا نا فوراً خیال آیا ایک گچھا توڑوں اپنے صحابیوں کو کھلاؤں۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

لَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا.

() بخاری، الصحیح، باب رفع البصر الی الامام فی الصلاۃ، ۱: ۲۶۱، رقم: ۷۱۵

پھر آپ ﷺ نے چھوڑ ہی دیا؟ ہاں چھوڑا اس لیے کہ تم بھی میرے ہو جنت بھی میری ہے۔ جنت کا مال یہاں لانا کوئی اچھا نہیں لگا۔تمھیں وہاں جا کے چھوڑ دوں گا۔

نماز مدینہ منورہ میں پڑھی جا رہی ہے انگور وہاں توڑے جا رہے ہیں جنت میں اور خیال امت کا آ رہا ہے اور نماز پڑھی جا رہی ہے اور حضور ﷺ دو قدم چلتے ہیں، ہاتھ لہراتے ہیں، مٹھی کھولتے ہیں بند کرتے ہیں واپس چلے آتے ہیں۔

حضرات! یہاں میں سوال کرنا چاہوں گا کہ مومن کامل جب نماز پڑھتا ہے تو اُس وقت نماز خدا کی اور بندہ خدا کا۔ جب نماز خدا کی اور بندہ بھی خدا کا یہ آپس میں آمنے سامنے ہوتے ہیں تیسرے کی گنجائش نہیں ہوتی۔تو جب حضور ﷺ یہ عالم ہے کہ خدا سامنے ہو ہم کلامی خدا کے ساتھ ہو تو پھر جنت کیسے نظر آئی؟ گچھا انگور کا کیسے نظر آیا؟ پھر امت کا خیال کیسے آیا؟ انگور کیسے نظر آیا؟ حضور ﷺ جنت میں ٹہل بھی رہے ہیں اور خدا کے

ساتھ ہم کلام بھی ہیں۔ وہاں تو دوسری طرف دیکھنے کی گنجائش بھی نہیں ہوتی۔ فرمایا: لوگو! اپنے پر نبی ﷺ کی ذات کا قیاس نہ کرو۔ تم اور ہو اور وہ اور ہیں۔ وہ خدا کے ساتھ بھی ہیں، تمہارے ساتھ بھی ہیں۔ وہ خدا کے ساتھ بھی ہیں وہ جنت میں بھی ہیں۔ وہ ساری کائنات کو اپنی نظر میں لیے ہوئے اپنے فیضان سے فیض یاب فرماتے چلے جاتے ہیں۔ اسی حقیقت کو جناب رومیؒ یہاں بیان فرما رہے ہیں۔ آپ بانسری کو سامنے رکھ کے فرماتے ہیں:

دو دھاں داریم گویا همچونے
یک دھاں پنہاں ست در لبهائے وے

جس طرح بنسری کے دو منہ ہیں ایک پھونک مارنے والے کے منہ میں ہوتا ہے اور دوسرا لوگوں کو فیض دینے کے لیے ہوتا ہے۔ اسی طرح کاملین کا باطن خدا کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر خلق خدا میں خدا سے فیض لے کر تقسیم کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ اس مقام کو بیان کرنے کے بعد آگے بڑی مزیدار بات فرما رہے ہیں۔

حضرات! درد و محبت کے اندر جینے والو! ہر آنے والا وقت محبت کی حدت، سفر کی شدت، ہر گام محبت کی گرمی، محبت کی حدت یہ لحہ بہ لحہ بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ تو آپؒ فرماتے ہیں:

ان کی ایک زبان جو ظاہر ہے یہ تو درد کا گیت تمہیں سنا رہی ہے اور دوسری جو مالک کی طرف زبان پھیر دی ہے نا آسمان ایک دوسرا تیسرا ساتواں، سدرۃ المنتہیٰ، جنت، عرش معلّٰی تک جتنی کائنات ہے سب کے اندر رقص طاری کر دیا ہے۔ صرف جس پر رقص طاری نہیں ہوا وہ فرشتے ہیں۔ اس لیے وہ اس کیفیت کے دائرے سے باہر ہیں اُن کے ساتھ صرف ایک ہی کیفیت ہے جو سجدے میں ہے۔ سجدہ ہی سجدہ۔ جو رکوع میں ہیں بس رکوع ہی رکوع۔ نور ہے تو ہر مسئلے سے دور ہے۔

انسان وہ خدا کے نزدیک بھی ہے۔ وہ عالم ناسوت میں بھی ہے، وہ عالم لاہوت میں بھی ہے، وہ دنیا میں بھی ہے، وہ آخرت میں بھی ہے لیکن یہاں جو پریشانی کا عالم طے کر رہا ہے نا قدم بہ قدم فنا سے گزرتا جا رہا ہے اور جب مقام فنا سے گزر جائے تو وادی بقا میں قدم رکھتا ہے۔ اور وادی بقا جب آ جائے تو ایک لحہ اپنے محبوب سے جدا نہیں ہوتا۔ اور جس جہاں سے وہ علیحدہ ہوتا ہے وہ محبوب کے قریب رہ کر بھی سارے جہاں کا نظارہ کرتا ہے۔

حضرات! یہ ہے وہ بڑی خوبصورت بات۔ لیکن اور مزے کی بات جو آپ نے فرمائی ہے اسی پر آج اکتفا کروں گا۔ وہ یہ فرماتے ہیں:

لیک داند ہر کہ اُو را منظرست
کایں فغان ایں سرے ہم زاں سرست

وہ فرماتے ہیں کہ یہ ہر ایک کی بات نہیں ہے، یہ انجیر میوہ ہے

طعمه هر مرغے که انجیر نیست

ہر مرغ انجیر نہیں کھا سکتا۔ اوّل تو نزدیک جاتا ہی نہیں اور کسی کو دیکھا دیکھی چلا بھی جائے کیونکہ پھڑ پھڑاتے پرندے کو اپنی جنس سمجھتا ہے اور اپنی جنس سمجھ کر جب قریب جاتا ہے تو ان کو کھاتا دیکھ کر یہ بھی کھاتا ہے کیونکہ یہ اندر سے اُس جنس کا فیض ہوتا ہے۔ صورت میں ملتا ہے، سیرت میں نہیں ملتا۔ یہ ظاہراً ملتا ہے باطناً نہیں ملتا۔ یہ اندر سے اور ہیں اور وہ اندر سے اور ہیں۔ یہ شکل پہ گیا، یہ رنگ پہ گیا، پروں پہ گیا، یہ چونچ پہ گیا کہ یہ میری طرح ہے۔ میرے اور اس میں کیا فرق ہے؟ قریب گیا ایک ہی دانہ چکھا تو بیچارہ بیمار ہو گیا۔ اس لیے جناب رومیؒ فرماتے ہیں:

طعمه هر مرغے که انجیر نیست

معلوم ہوا کہ اپنی طرح ہی ہر ایک کو نہ سمجھا کرو کہ میری طرح ہے۔ آگے جا کر فرماتے ہیں: دو لفظ ہیں ایک ہے شَیر اور دوسرا ہے شِیر۔ شَیر میں کتنے لفظ ہیں اور کون کون سے؟ ش، ی، ر اور شِیر میں کتنے لفظ ہیں؟ تین۔ اور شکل بھی ایک جیسی ہے۔ ش اِدھر بھی ہے ش اُدھر بھی ہے، ی اِدھر بھی ہے اور ی اُدھر بھی ہے، ر اِدھر بھی ہے اور اُدھر بھی۔ اسی نے ریب پیدا کیا۔ یہ جو شک ہوا نا یہ لفظی ہو گیا۔ دیکھا اُس نے شِیر اور ہے اور شَیر اور ہے۔ تو فرمایا: شَیر کا کام پھاڑنا، چیرنا، کھانا اور شِیر کا کام ہے مومن کے اندر جا کے فائدہ پہنچانا۔ دونوں میں فرق ہے۔ تو اے پرندے! جب یہ تیری غذا نہیں ہے تو کھایا کیوں تو نے؟ کھایا تو اس لیے کہ میری طرح تھا اس لیے کھایا۔ اور یہاں جناب رومیؒ فرماتے ہیں:

لیک داند هر که او را منظرست

کایں فغان ایں سرے هم زاں سرست

یہ درد کی کیفیت تو وہ جانے جس کی آنکھ روشن ہو۔ یہاں منظر کو نظر کی جگہ پہ لائے ہیں۔ منظر کا مفہوم اور ہے لیکن رعایت شعری کے لیے منظر لکھ کر مفہوم نظر لیا ہے۔ حق بھی نظر ہی کا بنتا ہے۔ فرماتے ہیں:

ہر ایک نہیں جس کی نظر کام کرتی ہو۔ پھر آنکھیں بھی دو قسم کی ہوں۔ اگر بندے دو قسم کے ہیں تو آنکھیں بھی پھر دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ آنکھ ہے جو جسم تک پہنچے بس رُک جائے، دیوار تک پہنچے تو رُک جائے۔ پہاڑ تک پہنچے تو رُک جائے۔ گدھے، اونٹ تک پہنچے رُک جائے۔ مرد، عورت کے قریب جائے تو رُک جائے۔ بندر، بھیڑیے کے قریب جائے رُک جائے، پہاڑ کے قریب جائے رُک جائے۔ ایک وہ نظر ہے جو پہاڑ کے قریب جائے تو اُس کے اندر سے گزر جائے اور انسان کے سینے پر لگے۔ اندر جو نظام ہے اُس کو دیکھتی ہوئی

آنکھ باہر نکل جائے۔ یہ دو قسم کی آنکھیں ہیں۔ جناب رومیؒ فرماتے ہیں: اس کیفیت کو سمجھنے والا وہی ہوگا جو اُس علم والا ہوگا جو معلوم تک پہنچے۔ اُس دلیل والا جو مدلول تک پہنچے۔ وہ محبّ جو محبوب تک پہنچے۔ اُس کی نظر کامل چاہیے جو صرف نظر سے نظر نہ ملائے دل کے اندر اٹھنے والے حُباب کا نظارہ کر لے۔ اس لیے فرماتے ہیں:

لیک داند هر که اُو را منظرست

کایں فغان ایں سرے هم زاں سرست

کیونکہ بانسری کے جو دو منہ ہوتے ہیں ایک سے فریاد نظر آتی ہے دوسرے سے خاموشی معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں: یہی تو سمجھنے میں قصور ہے۔ جس سرے کو تم خاموش کہتے ہو اصل میں کیفیت تو اسی پر وارد ہوتی ہے۔ جو دوسرے سے آواز نکلتی ہے کیفیت تو اس پر وارد ہے۔ جو لوگ خاموش ہوتے ہیں، سر جھکا کے مراقبے میں بیٹھتے ہیں کیا سمجھتے ہو کہ یہ سو گئے ہیں؟ نہیں، یہ قرب کی منزل کی سیر کر رہے ہیں۔ اور ظاہر کی آنکھیں کیوں بند کر رہے ہیں؟ اس لیے کہ اسے تم اپنے جیسا سمجھ کر چھیڑو نہیں کہ یہ سو گیا ہے۔ اور اندر کی آنکھ کھل جاتی ہے کہ یہ اُس کے قریب پہنچ گیا۔ تو حضرات گرامی! یہ سارا مفہوم عشق کا مفہوم ہے۔ یہ ساری چیز طلب ہی طلب، عشق ہی عشق، سوز ہی سوز، تڑپ و گداز۔ یہی وہ زندگی ہے جس کو نصیب ہوگئی اُس کو زندگی مل گئی۔ جسے زندگی ملی اس طرح کی بندگی بھی اُسی کو ملی ہے۔ باقی جتنے لوگ ہیں اس کیفیت کے بغیر وہ رسم بندگی میں قید ہیں۔ حقیقی بندگی اُس کی ہے جس کا دل جل گیا ہو۔ جس کا باطن جل گیا ہو اور کچھ نہ رہا ہو۔

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں:

جب ایک لکڑی جل رہی ہو تو اُس کے ساتھ دوسری ملاؤ۔ اس لیے کہ تنہا جلنے والی لکڑی بجھ جائے گی اور جب یہ دو ہو جاتی ہیں تو پھر وہ کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ جب ایک محبّ جلتا ہے تو محبوب قریب آ کے اپنی نظر کے نشانے پہ اسے بٹھا کے اسی آگ محبت کو وصل سے تیز کر دیتا ہے۔

حضرات گرامی! اُس کے بعد پھر عبادت شروع ہوتی ہے۔ اور آپ نے یہ حدیث پاک علمائے کرام سے بارہا سنی ہوگی کہ خدا کو دیکھو اور اگر نظر نہیں آتا:

أَنْ تَعْبُدُ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ.

محققین کا قول تصوف کی کتب میں پڑھا ہے وہ قول سنا رہا ہوں آپ کو کہ اگر کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا

فَإِنَّهُ يَرَاكَ.

() بخاری، الصحیح، باب سؤال جبریل النبی، ۱: ۲۷، رقم: ۵۰

وہ اس طرح نہیں کہتے وہ کہتے ہیں کوشش کرو دیکھنے کی۔ جلدی جلدی کوشش کرو دیکھنے کی وہ تو دیکھ رہا ہے نا یقین کرو۔ تو بھی دیکھتا ہے اور یقین نہ کرو تب بھی دیکھتا ہے۔ تمہارے یقین کا وہاں کیا اعتبار ہے کہ تم یقین کرو کہ وہ دیکھتا ہے۔ تم یقین کرو گے تو وہ دیکھے گا، تم نہ بھی یقین کرو تو وہ دیکھتا ہے۔ لہٰذا تم کوشش کرو دیکھنے کی جب نہیں نظر آتا تو کیا کریں؟ اگر

فَاِنْ لَمْ تَكُنْ.

جب تم بالکل فنا ہو جاؤ۔ جب تم نہ رہو وہی رہے۔

فَاِنَّهٗ يَرَاكَ.

پھر وہ تمہیں دیکھے گا۔ جب وہ تمہیں دیکھے گا تو پھر تم بھی اسے دیکھ سکو گے۔ یہ ساری بات ہے عشق کی، محبت کی، پیار کی، جل جل کے تلاش محبوب میں اُس مقام پر پہنچو کہ جہاں وہی رہے تم نہ رہو تو پھر جو بندگی ہوگی وہی اصل زندگی ہوگی۔ پھر جو بندگی ہوگی وہ محبوب کی رضا کا نمونہ ہوگا۔

حضرات گرامی! ان شاء اللہ چھٹا درس مکمل ہوا کل ان شاء اللہ ساتواں درس ہوگا۔ میں نے پہلے بھی کہا آپ کو مجھے کبھی بھی خیال نہیں آیا کہ مثنوی دوبارہ پڑھوں، درس دوں یہ تو بڑے دور کی بات ہے اور بڑی مشکل بات ہے۔ حضرت رومیؒ جب ملے تو بس پھر شروع کر دیا خود شروع نہیں کیا میں نے اُن کے اشارے سے شروع کیا اور ان شاء اللہ کل اُن کی ملاقات کی ایک جھلک دکھاؤں گا۔

اللھم صلّ علی محمد ﷺ وعلی آل محمد ﷺ.

دار العلوم محمدیہ محی الاسلام صدیقیہ

دفترِ اوّل

درسِ ہفتم

بر سماع راست هر كس چیر نیست

سچی بات سننے پر ہر شخص قادر نہیں۔

طعمه هر مرغكے انجیر نیست

انجیر ہر حقیر پرندے کی خوراک نہیں ہے۔

برسماع: عاشق اپنی منازل کی سیر کی باتیں عوام کو سنائے تو وہ اُن کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

گر خوری یک لقمه از نانِ نور

اگر ایک لقمہ نور کی روٹی کا کھائے گا۔

خاك ریزی بر سرے نانِ تنور

تو تنور کی روٹی کے سر کے اوپر خاک پھینکے گا۔

تنور: تندور۔ خاک ریزی: خاک پھینکنا

بند بگسل باش آزاد اے پسر

اے بیٹا! قید کو توڑ آزاد ہو جا۔

چند باشی بند سیم و بند زر

سونے چاندی کا قیدی کب تک رہے گا؟

بند بگسل: عشق میں کمال کی راہ یہ ہے کہ ما سویٰ اللہ کی قید و بند سے آزاد ہو جائے۔

كوزه چشم حریصاں پر نه شد

حریصوں کی آنکھ کا پیالہ نہ بھرا۔

تا صدف قانع نه شد پر در نه شد

جب تک سیپ نے قناعت نہ کی موتی سے نہ بھرا۔

صدف: سیپ بارش کا ایک قطرہ لے کر منہ بند کر لیتا ہے تب اُس میں موتی بنتا ہے۔

هر کرا جامه زعشقے چاك شد

جس کا جامہ عشق کی وجہ سے چاک ہوا۔

ہر کرا: جذبہ عشق سے ہی نفسانی رزائل دور ہوتے ہیں۔

اوز حرص و عیب کلی پاك شد

وہ حرص اور عیب سے بالکل پاک ہوا۔

نحمده ونصلّي ونسلّم على رسوله الكريم. أما بعد فأعوذ بالله من الشيطن الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم.

انَّ الله وملائكته يصلون على النبيّ ﷺ يا أيها الذين اٰمنوا صلّوا عليه وسلّموا تسليما. الصّلوة والسّلام عليک يا رسول الله ﷺ وعلى آلک وأصحابک يا حبيب الله.

حضرات گرامی! مثنوی شریف کا آج ساتواں درس ہے۔ رمضان المبارک میں مثنوی شریف کے عنوان پر اہل صدق ومحبت کی یہ ساتویں محفل مائل بہ عروج ہے اور ہر آنے والا وقت صدق و صفائی میں، محبت و پارسائی میں، دنیا سے لاتعلقی اور جدائی میں قدم بقدم کامیابی سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ اللہ رب العالمین نے ہم سب پر بڑا کرم فرمایا اور اہل اللہ کی توجہ نبی کریم ﷺ کے صدقے سے جو ہمیں میسر ہے وہ نعمت غیر مترقبہ ہے۔

حضرات! انسان اپنے نصیب کے اعتبار سے پہچانا جاتا ہے کہ کون صاحب قسمت ہے کون بدقسمت ہے۔ تو کون سی کتاب کھولو گے؟ ہم معلوم کرنا چاہیں کہ اس اجتماع میں بدنصیب کو ن ہے اور خوش نصیب کون ہے تو فوراً کیا کتاب اٹھاؤ گے؟ قرآن پاک کی آیت پڑھو گے؟ بخاری شریف کا حوالہ دو گے؟ مفسرین کے اقوال پیش کرو گے؟ محدثین کی روایات پیش کرو گے؟ پاکبازوں کی حکایات سناؤ گے؟ آسان فیصلہ ہے کون بدنصیب ہے اور کون بانصیب نشاندہی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بس اُس کی محفل دیکھو، اُس کا کردار دیکھو، اُس کی گفتار دیکھو، اُس کی رفتار دیکھو، گفتار، کردار، عمل، محفل یہ دیکھو محفل کیسی ہے۔

یہ ناممکن ہے کہ وہ دل میں بے ایمان ہے اور لفظ ایمان زبان پہ ہو۔ ایک یا دو دفعہ ہو گا لیکن وہی

بات ہو گی جو اندر والی ہے اور یہ ناممکن ہے کہ اندر محبت ابل رہی ہو وہ باہر سے ملمّع سازی کر رہا ہو۔ یہ ناممکن ہے کہ آگ جل رہی ہو اور دھواں نہ ہو۔ یہ ناممکن ہے کہ دریا بہہ رہا ہو اور لہریں نہ ہوں۔ یہ ناممکن ہے کہ سورج ہو اور دھوپ نہ ہو۔ یہ ناممکن ہے کہ چاند ہو اور چاندنی نہ ہو۔ یہ ناممکن ہے کہ پھول ہو اور خوشبو نہ ہو۔ یہ ناممکن ہے کہ روحانیت اندر سے بندۂ کاملین اور خدا کے عاشقوں کے ساتھ ہو اور اُس کا چہرہ گواہی نہ دے۔ یہاں ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ خوش نصیب کون ہے اور بدنصیب کون ہے؟

خوش نصیبی کی بڑی دلیل کیا ہے کہ جس کو دیکھ کر خدا یاد آ جائے اور خدا فرماتا ہے کہ مجھ سے زیادہ سچا کون ہے؟ اور جو جتنا سچا ہے وہ اتنا برتر، بلند، اعلیٰ، اکمل و اعلیٰ ہے۔ تو رب سے نہ اعلیٰ کوئی، نہ بلند و بالا کوئی اور نہ اُس سے زیادہ سچا کوئی۔ پھر اُس کے محبوب، پھر صحابہ کرام علیہم الرضوان پھر اولیائے کرامؒ، پھر تبع تابعینؒ یہ جتنے ہیں یہ سچوں کی ایک جماعت ہے۔ جو ان سے لگ گیا وہ خوش نصیب ہے۔ یہ خوش نصیبوں کا ایک مجمع ہے، خوش نصیبوں کی ایک محفل ہے۔ میں اسی خوش نصیبی کو آگے لے کر چلتا ہوں۔

جناب رومیؒ کیا فرماتے ہیں بڑی پتے کی بات ہے۔ کل تو آپ نے سنا ہی تھا۔ اس کے لیے آپ نے بڑی بڑی باتیں فرمائی ہیں کہ کیسے کیسے لوگ ہوتے ہیں؟ دو قسم کے لوگ ہیں ایک ایسے ہیں کہ جو بالکل دریا کے کنارے پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک وہ ہیں جو دریا میں غوطے لگائے ہوئے ہیں۔ تو آگے جا کر حضرت جناب رومیؒ نے بات کھول کے بیان کر دی ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ: فضاؤں میں کتنے پرندے ہیں گنا چاہو نہ گن سکو گے، شمار کرنا چاہو تو نہ شمار کر سکو گے۔ اتنے پرندے ہیں اور بے شمار درخت ہیں۔ اُن میں پھلدار بھی ہیں اور بے پھل بھی اور پھلداروں میں بے شمار قسم کے پھل ہیں لیکن ان میں سے ایک ایسی قسم کا پھل ہے جسے انجیر کا درخت کہتے ہیں اور اُس پر خوبصورت سیاہ رنگ کے پکے پکے پھل لگے ہوتے ہیں جو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اور دوڑ کے جاتے ہیں پرندے قریب بھی جاتے ہیں دیکھتے بھی ہیں کچھ کھاتے ہیں اور کچھ نہیں کھاتے۔ جو نہیں کھاتے اُن کو روکا کس نے؟ اور جو کھاتے ہیں اُن کو دعوت دی کس نے؟ اور پرندہ محتاجِ دعوت کب ہے؟ اور اگر یہ محتاجِ دعوت ہیں تو جو کھاتے ہیں انہیں کون بتاتا ہے کہ یہ پھل اس قسم کا ہے کہ اس کو روکنے اور دعوت دینے کی ضرورت نہیں؟ ہر پرندہ جانتا ہے کہ میری غذا کیا ہے۔ جب قریب آتے ہیں عام پرندے دیکھتے ہیں کہ کھا تو لیں لیکن ہضم کون کرے گا۔ کھا تو لیں گے لیکن اس کے اثرات سے کون بچائے گا ہمیں، اس لیے وہ نہیں کھاتے اور جن کی یہ خوراک ہے وہ مزے سے کھاتے ہیں۔

تو یہاں آگے وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: بندے بھی اسی طرح کے ہیں کہ جب اللہ رب العالمین نے عشق عام کیا تو بعض روحوں نے وہ جام پی لیے اور بعض نے نہیں پیئے اور جنہوں نے نہیں پیئے اُن کو جبراً بھی

پلاؤ تو نہیں پئیں گے اور پلا بھی لیا تو قے ہو جائے گی۔ اور جن کی روح کے اندازل میں عشق کا شراب اتر گیا ہے اُن سے جام چھڑواؤ بھی وہ صراحی اٹھالیں گے۔ تو یہاں آگے جناب رومیؒ فرماتے ہیں:

بر سماع راست ہر کس چیر نیست

طعمه ہر مرغکے انجیر نیست

عشق کی باتیں سننا یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ ابھی دیکھا نہیں ہے آپ نے سلام پھیرنے کے بعد کتنے بھاگ گئے ہیں اور کتنے بیٹھ گئے ہیں؟ وہ بھاگنے والوں سے کس نے کہا ہے نکلو اور جو بیٹھ گئے کس نے پکڑا ہے آپ کہ بیٹھ جاؤ۔

بر سماع راست ہر کس چیر نیست

طعمه ہر مرغکے انجیر نیست

سچی باتیں عشق کی باتیں سننا ہر ایک کی ہمت، قدرت اور توفیق نہیں ہے۔ یہ جس کا مزاج ہے وہی سنے گا۔ جس کی طبیعت برداشت کرتی ہے وہی سنتا ہے اور:

طعمه ہر مرغکے انجیر نیست

یہاں مرغکے لکھا ہے، تو دو قسم کے مرغے بتائے ایک عام قسم کا پرندہ جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ یہ 'کے'، تصغیر کا ہے یعنی اتنے نکمے، اتنے بے کار، اتنے بے اصول اور اتنے قدرِ اعتبار سے گرے ہوئے کہ اُن کو پوچھے بھی کوئی نہ اور دیکھے تو پہچانے بھی کوئی نہ۔ یہ کیا انجیر کھائیں گے؟ انجیر کھانے والوں کی شکل ہی اور ہوتی ہے۔ انجیر کھانے والوں کا معدہ ہی کوئی اور ہوتا ہے اُن کا رنگ و روپ ہی جدا ہوتا ہے۔ اور جب اس قسم کے پرندے جو بالکل مرغکے، نازک، بے کار، لاغر، کمزور، پر اترے ہوئے، بالکل ہی ننگے۔۔۔ آپ دیکھیں! ایک آدمی خوبصورت لباس پہن کے آئے اور دوسرا خالی ایک لنگوٹ پہن کر آئے دونوں میں کوئی فرق ہو گا کہ نہیں؟ جی! ایک لنگوٹیا شخص اور ایک معزز انسان، ان دونوں کے اندر فرق کرو گے کہ نہیں؟ تو اس لیے فرمایا کہ: کیا وہ مرغکے ہو گا جو انجیر دیکھ کر منہ پھیر لے؟ تیرا نصیب ہی کب ہے اور کیا شان ہے اس پرندے کی کہ انجیر جس کے انتظار میں ہے اور جو انجیر کے لیے ہر وقت سفر در سفر اپنے محبوب کی تلاش میں ہے۔

یہیں سے آگے جا کے وہ بڑی کمال کی بات فرماتے ہیں کہ: جس طرح یہ مزے کا اور عجیب الخواص پھل ہے اگر دنیا کا پھل دنیا کا پرندے ان دونوں کے عجیب رابطہ ہے اور عام اس کے نزدیک نہ جا سکیں۔ تو خداوند ذوالجلال نے جو اپنے دیدار کا پھل رکھا ہوا ہے اس کے لیے جو اس نے اپنے بندے چن رکھے ہیں اُن کی مثال کون لائے گا؟ تو فرماتے ہیں کہ: جو پرندہ انجیر کھانے والا ہے اُس کی مثال نہیں تو جو خدا کا نور پینے والا

ہے اُس کی مثال کون ہے؟ تو کون لائے گا مثال اُس کی؟ اللہ غنی۔۔تو یہاں آ کے حضرت محی الدین ابن عربیؒ:

حَتَّى اَنَّهُ مَكَثَ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ عَلَى وَضُوْءٍ وَاحِدٍ.

() یوسف بن اسماعیل نبہانی، شواہد الحقائق، ۳۳۴

تین مہینے انھوں نے روٹی نہیں کھائی اور نہ ہی پانی پیا۔ نیند نہیں کی، وضو نہیں کیا اور تین ماہ ایک ہی وضو کے ساتھ نماز بھی پڑھتے رہے۔ یہ نہ کھانا کس کی صفت ہے؟ اللہ کی۔ تو کیا یہ تین مہینے خدا بنے بیٹھے تھے؟ یہاں اعتراض تو ہے نا ایک لمحے کے لیے بھی کوئی یہ سوچے کہ یہ خدا ہے تو کافر ہو گیا۔ یہ تو تین مہینے سوئے نہیں، تین مہینے کھایا نہیں، تین مہینے پیا نہیں اور تین مہینے کروٹ نہیں لی۔ جہاں تھے وہیں بیٹھے رہے۔ اٹھتے رہے، بیٹھے رہے، ہوش میں رہے۔

تو جناب رومیؒ یہاں آ کے بڑی عجیب بات فرماتے ہیں کہ: وجہ کیا تھی؟ وجہ یہ تھی وہ یہ فرماتے ہیں کہ: روٹی کیوں نہیں کھائی، ایک طرف تندور کی روٹی ہے دوسری طرف نور کی روٹی ہے۔ تو جن کو نور نصیب نہیں تھا وہ تندور پر گر پڑے اور جو نور والے تھے وہ تندور کو چھوڑ کر نور کی روٹی کھانے لگے۔ تندور کی روٹی صبح بھی لازمی ہے، شام بھی اور نور کی روٹی کھانے والے جب ہضم ہو جائے دو عالم سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

گر خوری یک لقمہ از نانِ نور
خاك ریزی بر سرِ نانِ تنور

ایک تندور کی روٹی کھانے والے ہیں اور ایک نور کی روٹی کھانے والے ہیں۔

حضرات! اس مضمون کو یہیں پہ چھوڑتا ہوں۔ یہ بڑا طویل موضوع ہے اور اگر اس کو میں آگے چھیڑتا ہوں تو پھر میں حضرت محی الدینؒ سے بڑھتے بڑھتے صحابہ کرام علیہم السلام پر جاؤں گا۔ اُن سے نکل کر آگے پھر خلفائے راشدینؓ پہ جاؤں گا اور اُن سے آگے جا کے کونین کے سردار ﷺ کی ایک جھلک بتانے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ تو پھر یہ بات لمبی ہو جائے گی اور مثنوی کا شعر یہیں رہ جائے گا، تو اس کو ہم دوسری محفل پر اٹھا رکھتے ہیں۔

یہاں سے اب وہ دنیا داروں کی طرف مخاطب ہوتے ہیں۔ حضرت رومیؒ اب دنیا داروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ایک طرف مچلتا ہوا لشکر، یہ دلوں میں ابلتا ہوا عشق، آنکھیں اُس کے محبوب کی یاد میں برس رہی ہیں۔ کپکپی جسم پہ طاری ہے۔ نشہ دیدار میں حیران ہوئے چلے جاتے ہیں اور دوسری طرف بھی عجیب لوگ، وہ بھی مست ہیں یہ بھی مست ہیں۔ وہ بھی مصروف ہیں یہ بھی مصروف ہیں۔ وہ بھی تلاش میں ہیں یہ بھی تلاش میں ہیں۔ سوتے وہ بھی نہیں اور سوتے یہ بھی نہیں۔ کھاتے کھاتے یاد یہ بھی کرتے ہیں اپنے محبوب کی یاد وہ بھی کرتے ہیں۔ دونوں میں فرق کیا ہے؟ جو نیا آدمی آئے گا جو حقیقت سے باخبر نہیں ہو گا وہ تو دیکھے گا نا یہ

بھی مصروف ہے اور وہ بھی۔ دنیا دار بھی مصروف ہے اور حق والا بھی۔ جس نے عشق کیا، محبت کی شراب پی، اُس پر بھی نشہ ہے اور جو دنیا داری میں ڈوب گیا اُس پر بھی نشہ ہے۔ ان دونوں میں فرق کیسے کرے گا؟ تو وہ بڑے پیار سے سمجھاتے ہیں۔

بند بگسل باش آزاد اے پسر

چند باشی بند سیم و بند زر

یہ جو حبّ دنیا نے تجھ پہ رسیاں باندھ رکھی ہیں، آپ کے قلاوے باندھ لیے ہیں، آپ کے پنجے باندھ لیے ہیں، آپ کے پاؤں باندھ لیے ہیں۔ جب بھی جھٹکا لگتا ہے تو دنیا ہی کی طرف جاتے ہو۔ بولتے ہو تو سونے کی بات کرتے ہو۔ سوچتے ہو تو چاندی کی بات کرتے ہو۔ اور درھم و دینار اور موتی اور تمام ہیرے اور جواہرات، عقیق اور کیا نا کیا۔ اس طلب و تلاش اور محبت میں ڈوب کے تم قید ہو گئے ہو۔ تو فرماتے ہیں:

بند بگسل باش آزاد اے پسر

یہ جو ہتھکڑی تجھے پڑ گئی دنیا کی محبت کی اس کو توڑ اور اندر سے رشتہ وہاں سے جوڑ جہاں سے ٹوٹے نہیں اور پھر عجیب بات ہے ہم تمھیں کہتے ہیں:

چند باشی بند سیم و بند زر

کب تک سونے کی تلاش میں رہو گے اور کب تک چاندی کی تلاش میں رہو گے؟ تاج و تخت کی تلاش میں رہو گے؟ راج و بخت کی تلاش میں رہو گے؟ صنعت و زراعت کی تلاش میں رہو گے؟ باغات، اشجار و اثمار کی تلاش میں رہو گے؟ کب تک دنیا کے پیچھے پڑے رہو گے؟ یہ تو وہ دنیا ہے:

یہ دنیا غم تو دیتی ہے شریک غم نہیں ہوتی

جانتے نہیں تم اس دنیا کو۔

یہ دولت غم تو دیتی ہے شریک غم نہیں ہوتی

تم اس دولت کو لے لو جب غم آئے تو تمھارے ساتھ ہو، خوشی آئے تو تمہارے ساتھ ہو، دنیا چھوڑو تو تمہارے ساتھ ہو، حشر میں جاؤ تو تمھارے ساتھ ہو۔ وہ دولت چھوڑ کر اِس دولت کے پیچھے پڑ گئے؟ جب تمھاری آنکھ بند ہو جائے تو یہ تیرا ساتھ چھوڑ دے۔

چند باشی بند سیم و بند زر

لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس لیے رب تعالیٰ فرماتا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَاج وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ○

() آل عمران، ۳: ۱۴

لوگوں کے لیے ان خواہشات کی محبت (خوب) آراستہ کر دی گئی ہے (جن میں) عورتیں اور اولاد اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان کیے ہوئے خوبصورت گھوڑے اور مویشی اور کھیتی (شامل ہیں)، یہ (سب) دنیوی زندگی کا سامان ہے، اور اللہ کے پاس بہتر ٹھکانا ہے○

یہ مال و دولت، بیوی، اولاد، زَن، فرزند، زیور، یہ باغات، اشجار، میوے، سلطنت، تاج و راج، ثروت و امارت، بخت، دولت، بچے، خاندان، قبیلہ، تجارت، وزارت، حکومت، دبدبہ، جاہ و جلال، رعب، طمطراق یہ کیا ہے؟

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا.

یہ تو دینا ہی دینا ہے۔ یہ دنیا ہے نا تو رب فرماتا ہے:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ.

() النساء، ۴: ۷۷

آپ (انہیں) فرما دیجیے کہ دنیا کا مفاد بہت تھوڑا (یعنی معمولی شے) ہے۔

یہ متاع دنیا ہے۔ یہ دنیا کا سامان ہے نا تو اللہ فرماتا ہے: میرے محبوب ﷺ! سمجھاؤ اُن کو قُلْ: آپ ﷺ سمجھائیں نا اِن کو

مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ.

یہ دنیا بہت تھوڑی ہے۔ سو سال ہے تو پھر تھوڑی، ہزار سال ہے تو پھر تھوڑی، دو ہزار سال ہے تو پھر تھوڑی۔ اس زندگی کے مقابلے میں جہاں پچاس ہزار سال کا ایک دن ہو گا۔ اُس نعمت کو چھوڑ کر اِس قلیل نعمت کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ اب فرماتے ہیں اللہ رب العزت:

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ○

() آل عمران، ۳: ۱۴

اور اللہ کے پاس بہتر ٹھکانا ہے○

رُخ پھیریں اللہ ﷻ کی طرف۔آپ نے جانا وہیں ہے۔اس لیے آپ نے فرمایا:

بند بگسل باش آزاد اے پسر

چند باشی بند سیم و بند زر

کب تک تم قید رہو گے آزاد ہو جاؤ۔طوطا تھا پنجرے میں، مالک نے اسے درخت کے ساتھ لٹکائے رکھا تھا۔ اس کی بولیاں سن کر دل بہلا رہا تھا۔ بہت سے طوطے آئے اس کے ارد گرد گھومنے لگے۔ کچھ اس کے پنجرے پر بیٹھ گئے۔ خوبصورت بنا ہوا تھا اس پر وہ بیٹھ گئے۔تھوڑی دیر بعد وہ اڑ گئے۔ وہ جو اندر قید تھا وہ پھڑ پھڑایا، تڑپا، خاموش ہو گیا، گر گیا۔ مالک دوڑتا ہوا آیا، اُس نے اٹھایا، دیکھا سر لڑھک گیا، پاؤں لٹک گئے، پر پھیل گئے، بے جان ہو گیا۔ دکھ بھری آہ لی۔ اُس نے اس کو پکڑ کے زمیں پر نہ پھینکا کہ کہیں کتے اور جانور نہ کھائیں۔تو میرا پالا ہوا یہ رسوائی سے مر جائے ،ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور اسے درندے کھا جائیں مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اس نے اسے پکڑ کر زور سے باغ کی طرف پھینکا کہ کہیں درخت کے اوپر اٹک جائے گا، تو کوئی جانور اوپر نہیں جائے گا۔

جوں ہی اُس نے زور سے پھینکا تو وہ پھڑ پھڑاتا ہوا اڑنا شروع ہو گیا۔ مالک کے سامنے اڑنا شروع ہو گیا۔ چکر لگا کر مالک کے سامنے ٹہنی پر بیٹھ گیا۔ وہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے پوچھا: ارے! تم تو مر گئے تھے؟ ہاں میں مر گیا تھا، پھر اڑتے کیسے ہو؟ میرے دوست آئے تھے مجھے کہنے لگے اس پنجرے میں تم قید ہو جب تک مرو گے نہیں باہر نہیں نکلو گے، مرو یار مرو۔ وہ کہہ گئے مجھے مرو۔ جب میں مر گیا تو تُو نے مجھے کھلی فضا میں پھینک دیا۔

بند بگسل باش آزاد اے پسر

آزاد ہو آزاد۔ اس طرح تم پنجرے میں ہو۔ جب مر جاؤ گے تو پنجرا ٹوٹے گا۔ حد کوئی نہیں اِدھر جاؤ اُدھر جاؤ، مشرق جاؤ مغرب جاؤ، شمال جاؤ جنوب جاؤ، اوپر جاؤ نیچے جاؤ، دریا جاؤ، صحرا جاؤ، فضا جاؤ، خلا جاؤ، باغات میں جاؤ تمھیں اب روکے گا کون؟ حدیں ہی ٹوٹ گئی ہیں۔

اے بندے! آزاد ہو اور اُس ذات کی محبت میں آزاد ہو جس ذات کے لیے حد ہی نہیں ہے۔ جب اُس کے لیے کوئی حد نہیں تو تم اُس کے نُور میں غرق ہو جاؤ گے تو کبھی فرش کی سیر کرو گے اور کبھی عرش کی سیر کرو گے۔کبھی تجھے آسمانوں سے گزرتا ہوا دیکھا جائے گا اور کبھی فرش زمین دیکھو گے۔ کہیں منبر پر بیٹھو گے اور منبر پر بیٹھ کر نہاوند میں ایک شخص کو کہو گے

يَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ.

دَارُالعُلومِ مُحمّدِیّہ مُحیُ الاسلام صدیقیہ

() ہندی، کنزالعمال، ۱۲: ۲۵۶، رقم: ۳۵۷۸۸

یہ تو تمھارے کمال کی منزل ہے جو تجھ سے چھوٹ گئی ہے، آ جاؤ واپس۔ یہاں آ کے وہ نصیحت دینے کے بعد پھر ایک اور فرمان جاری کرتے ہیں۔ میری بات سن کر اپنی منزل کی طرف پھرنے والو خوش نصیبو! تمھیں مبارک ہو اور جو ابھی سوچ رہے ہو میری طرف سے ایک پیغام سن لو! ابھی تک سوچ رہے ہو تم؟ بخت نہیں جاگے؟ دل کے کان کھڑے نہیں ہوئے اور دل کی آنکھ سے تم نے منزل نہیں دیکھی؟ سنو! پھر پیغام سن لو! جناب رومیؒ کیا فرماتے ہیں: سنو!

کوزہ چشم حریصاں پر نہ شد
تا صدف قانع نہ شد پر در نہ شد

حریصو! سمندر کا پانی بھی تمھاری آنکھ میں ڈالنا شروع کر دیں اور سارا ہی سمندر تیری دونوں آنکھوں میں ڈال دیں تو پھر بھی وہ حریص و لالچی کہتا ہے دیکھو تو سہی کوئی چُلّو پھر پیچھے رہ تو نہیں گیا؟

کوزہ چشم حریصاں پر نہ شد

لالچی اور حریص کبھی سیر ہوتے ہی نہیں اور وہ فرماتے ہیں:

تا صدف قانع نہ شد پر در نہ شد

ایک موسم آتا ہے کہ سمندر کے کنارے پہ سیپی (صدف) منہ کھولے کھڑی رہتی ہے۔ منہ کھول کے یہ سیپ کنارے پر کھڑی رہتی ہے۔ اُس وقت لطیف ہوا کے ساتھ لطیف بارش کے قطرے گرتے ہیں اور جس کے اندر وہ قطرہ گرے وہ فوراً بند ہو جاتی ہے۔ وہ فوراً سیپ بند ہو کے پانی کے اندر چلی جاتی ہے۔ جونہی بند ہوتی ہے تو وہ قطرہ قطرہ نہیں رہتا وہ موتی بن جاتا ہے۔ اور جو سیپ کھلے کا کھلا رہ جائے، پانی سے بھر بھی جائے اور بند نہ ہو تو وہ پانی کا پانی ہی رہتا ہے اور وہ لوگوں کی ٹھوکر سے اڑ جاتی ہے۔ اور جو ایک قطرہ اپنے اندر لے کر بند ہو جاتی ہے وہ قطرہ قطرہ نہیں رہتا وہ موتی بن جاتا ہے۔

دیکھو! تجھے خدا پر ابھی اعتبار نہیں آیا کہ تو رب العالمین کی طرف منہ کرے؟ اور دل کی سیپی کھول کہ اوپر سے رحمت آ جائے۔ جب دل کے اندر جائے پھر اُس کو بند کر تا کہ اس کا نشہ تمھیں لے کر خدا کے پاس چلا جائے۔ اس لیے فرماتے ہیں:

کوزہ چشم حریصاں پر نہ شد

یہاں کوزہ لکھا ہوا ہے اور کئی نسخوں میں کاسہ ہے۔ میں نے جو پہلے مثنوی پڑھی تھی اُس میں کاسہ ہے،

اِس میں کوزہ ہے۔ لیکن کوزہ اور کاسہ دونوں ایک ہی ہیں۔ فرق اتنا ہی ہے کہ کاسہ چھوٹا ہوتا ہے اور کوزہ بڑا ہوتا ہے۔ گویا اُن حریصوں کی بات ہے جن کا حرص بھی بہت بڑا ہے۔ بہر کیف:

کوزہ چشم حریصاں پر نہ شد

اور

تا صدف قانع نہ شد پر در نہ شد

لہٰذا رب العالمین کی طرف سے تمھیں جو نعمت ملی ہے کس کس کو کیا نہیں دیا۔ سنو! ازل میں جس جس کے لیے جو رزق مقرر ہو گیا وہ ملنا ہی ہے۔ جس نے مکئی کھانی ہے وہ گندم نہیں کھائے گا اور جس نے باجرا کھانا ہے وہ جوار نہیں کھائے اور جس نے چاول کھانے ہیں وہ مکئی نہیں کھاتا اور جس نے مچھلی کھانی ہے وہ دال نہیں کھائے گا۔ اُس کے لیے جو لکھا گیا ہے وہی ہے اور جس نے تندور کی روٹی کھانی ہے وہ ضرور کھائے گا اور جس نے نور کی روٹی کھانی ہے وہ ضرور کھائے گا۔ اپنے آپ کو تیار تو کرو یار۔

اور میں یہ بات بھی کہہ دوں آپ کو۔ کسی امیر کے گھر خیرات بٹ رہی ہو اور ہجوم اندازے سے زیادہ ہو گیا ہو بعد میں اور لوگ بھی جا کے صف میں کھڑے ہو گئے ہوں اور دیگیں ختم ہو جائیں وہ نوکروں کو کہتا ہے اور دیگ چڑھاؤ یہ میرے دسترخوان کی توہین ہے۔ نہ سہی اتنا عمدہ لیکن میرے گھر کا کھانا سب کھائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو عزت بچانے کے لیے اُس کے گھر کا لنگر ختم ہو بھی سکتا ہے وہ پھر لنگر تیار کر کے اپنے نام کے لیے کام جاری رکھتے ہیں۔ تو جس کا لنگر ختم ہونے والا ہی نہیں اُس کے لنگر جو کھاتے ہیں، اُس صف میں شامل ہو جائیں، نہ بھی نصیب ہو جب واپس آنے لگو گے تو وہ پوچھے گا: کہاں سے آئے ہو؟ فلاں سخی سے۔ تو کہے گا: میرا نام لیں گے علاقے میں ہضم تو ویسے بھی نہیں کریں گے۔ کھلا تو سہی نا اور جو ہضم کریں گے وہ جسم و روح کو سجدے میں رکھنے والے اور عشق والے ہیں، اُن کو ایک پیغام دیتے ہیں۔

دو شعر اور پڑھنے کے بعد محفل ختم کرتے ہیں۔ کل ان شاء اللہ اس محفل کو اور جوانی ملے گی۔ طالبین حق عاشقین صادق کو کیا فرماتے ہیں:

ھر کرا جامہ زعشقے چاك شد

اوز حرص و عیب کلی پاك شد

تربیت کا مقام کیا ہے؟ نماز پڑھاؤ، معنی سکھاؤ، رکوع کراؤ، تسبیح پڑھاؤ، رکوع کیسا ہو؟ تسبیح کتنی بار ہو؟ معنیٰ کیا ہے؟ پھر سیدھے کھڑے ہونے کی حد کیا ہے؟ اس کی شکل کیسی ہو گی؟ پھر سجدے میں جاؤ، سجدے کی نوعیت کیا ہے؟ اس کی کیفیت کیا ہے؟ نیت کیا ہو گی؟ تسبیح کتنی ہو گی؟ یہ تربیت ہے۔ رات کو جاگو، دن کو بھی

خیال رکھو، رات کو بھی خیال رکھو، محبوب کی یاد میں وقت گزارو اور سجدے پہ سجدہ کیے جاؤ۔ ایک تربیت یہ ہے۔ حضرت رومیؒ فرماتے ہیں:

ایک اور طریقہ ہے یہ بڑا لمبا راستہ ہے۔ آپ بھی بڑے حریص اور لالچی قسم کے لوگ ہو، وہ فرماتے ہیں: عاشقو! آپ تو بڑے لالچی، بڑے حریص ہو۔ پہلے فرماتے ہیں: او حریصو! کچھ بھی نہیں ملتا۔ تم حرص کرتے کیوں ہو؟ چھوڑو توبہ کرو اور آگے جا کے فرماتے ہیں: تم پہلے ہی حریص ہو۔ تو یہ فرق کیا ہے؟ عاشق بھی حریص ہے اور دنیا دار بھی حریص ہے۔ دنیا سونے کے لیے حریص ہے، چاندی کے لیے حریص ہے۔ جہاں اُس کے پاس بیس مربعے ہیں پانچ مربعے اور خریدنے میں حرص کیے جا رہا ہے۔ دو دکانیں ہیں تو بیس بنانے کی فکر میں ہے۔ جس کے پاس چھ ہوٹل ہیں تو بیس بنانے کے خیال میں ہے۔ دس گاڑیاں ہیں تو پچاس بنانے کی فکر میں ہے۔ اُس کو حرص اُدھر لے جا رہا ہے۔ ایک عاشق بھی حریص ہے۔ آج خدا سے ملاقات، محبوب سے ملاقات ایک دفعہ ہوئی کل دو دفعہ کریں گے۔ وہ ملاقات کی طرف لگا رہتا ہے اور خدا نے تو ایک دفعہ فرما ہی دیا:

حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ○

() التوبہ، ۹: ۱۲۸
(اے لوگو!) وہ تمہارے لیے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لیے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں○

قرآن کہتا ہے: مومنو! تمھاری بھی قسمت کی حد ہی ہو گئی کہ تمھارے معاملے میں میرا محبوب کتنا حریص ہے۔ غار میں گئے تو رو رہے ہیں، مزار میں گئے تو رو رہے ہیں، طواف کر رہے ہیں رو رہے ہیں، مدینے میں بیٹھے ہیں تو رو رہے ہیں، صحرا میں ہیں تو رو رہے ہیں، معراج کے لیے آئے ہیں تو آپ ہی کا مطالبہ لے کے آئے ہیں۔ فرمایا: اتنا حرص اپنی امت کے معاملے میں۔ خدا فرماتا ہے: آخر مجھے کہنا ہی پڑا:

وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی○

() الضحی، ۹۳: ۵
اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے○

خوش رہیے نا میرے محبوب، خوش رہیے میں خدا ہو کے وعدہ کرتا ہوں آپ کو میں خوش کر کے ہی چھوڑوں گا۔ اتنا حرص بھی نہ کریں۔ یقین کریں میں آپ کو راضی کر کے ہی چھوڑوں گا۔ تو فرماتے ہیں: عاشقو! تم بھی تو حریص ہو لیکن جتنا روحانی مقام ہے حرص بھی اتنا ہی ہے اور یہ حرص ایمان کی حفاظت کی بنیاد ہے اور وہ حرص درِ محبوب سے دُور لے جانے کا جال ہے۔ یہ دو قسم کے حرص ہیں۔ یہاں آ کے حضرت رومیؒ بڑے پیار

سے اُس امت مصطفیٰ ﷺ کے عاشقوں کے ایک لشکر کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

هر کرا جامه زعشقے چاك شد
اوز حرص و عیب کلی پاك شد

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نوافل، تہجد و وظائف، ورد، تلاوت، عبادت، محنت، ریاضت، کوشش، تڑپنا، سجدے پہ سجدے دے رہا ہے۔ فرمایا: ٹھیک ہے یہ ایک کاملین کی روایت ہے جو اِس طرف جاتا ہے وہ یہی دستور لے کے جاتا ہے۔ مگر کمی ہے تجھ میں تھوڑی سی۔ درخت تو لگایا تم نے، پوچھو تو سہی درخت سے پھل دیتا کیوں نہیں؟ سوچو نا درخت تو لگایا تو نے دس سال ہو گئے۔ باقی لوگوں کے درخت تو چار سال کے بعد پھل دے رہے ہیں اور تیرا درخت دس سال ہو گئے پھل نہیں دے رہا۔ کیا وجہ ہے؟ کسی ماہر سے پوچھ وہ تجھے بتائے گا کہ اس کی جڑیں ننگی کرو وہاں کیڑے لگے ہوئے ہیں۔ اُن کیڑوں کی جگہ دوائی ڈالو۔ اے انسان! جو بیس سال سے نمازیں پڑھ رہا ہے تو ابھی تک چہرہ گواہی نہیں دے رہا۔ تو معلوم ہوا کہ اندر کوئی کیڑا لگا ہوا ہے۔ وہاں دوائی ڈالو۔ تو دوائی کیا ہے؟

هر کرا جامه زعشقے چاك شد
اوز حرص و عیب کلی پاك شد

جس کے اندر باہر عشق کی آگ لگ گئی۔۔۔ ایک صحابیؓ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! جیسے ہی میں بیعت ہوا نا نقصان بڑا ہو گیا۔ مال، اونٹ، گھوڑے، گدھے مر گئے، میں تباہ ہی ہو گیا، بہت پریشانی ہو گئی۔ تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: مدینہ عشق کی بھٹی ہے، بھٹی میں جو لوہا جاتا ہے اُس کی غلاظت، گند آگ جلا کر صاف کر کے چھوڑتی ہے۔ مدینہ عشق والوں کے لیے، سچے لوگوں کے لیے بھٹی ہے۔ جو آئے گا غلاظت جلا کے جب پاک ہو گا تو باہر نکال دیں گے۔ تو اسی لیے فرمایا:

هر کرا جامه زعشقے چاك شد

جس نے عشق کی آگ سے دنیا کے لباس کو جلا کے ایک طرف کر دیا تو آواز آئے گی خدا کی طرف سے کہ

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ.

() الأعراف، ۷: ۲۶
اور تقویٰ کا لباس ہی بہتر ہے۔

جس لباس کو تو نے عشق کی آگ سے جلا کر دور پھینکا ہے اب تقویٰ کا لباس آ گیا ہے۔ اب تیری روح پر، تیرے دل پر، تیرے دماغ پر، تیری عقل پر، تیری سوچ پر، تیرے عمل پر، تیرے علم پر، تیرے کلام پر، تیرے نام پر، تیرے مقام پر، تیری رفتار پر، تیری گفتار پر، تیرے کردار پر، تیری گرفت پر، تیری نشست پر، تری برخاست پر، تیری سوچوں پر، تیرے خیالوں پر میرے عشق کا قبضہ ہو گا۔ جب میرے عشق کا قبضہ ہو جائے گا تو کہاں رہتا ہے حرص وعیب اور کہاں رہتی ہے بخیلی؟ کہاں رہتا ہے یہ گناہ۔ یہ سب کچھ جل جاتا ہے۔ جب عشق جلا کے پاک کرتا ہے تو پھر بندہ میری طرف رخ کرتا ہے تو جلے ہوئے کو وصل کا لباس ہم ہی پہنایا کرتے ہیں۔

جناب رومیؒ دوسری بات فرماتے ہیں:

شادباش اے عشق خوش سودائے ما

اے طبیب جملہ علتہائے ما

خوش رہ ہمارے اچھے جنون والے عشق۔ اے ہماری تمام بیماریوں کے طبیب!

اس شعر کو یہاں چھوڑتے ہیں۔ ان شاء اللہ نبی پاک ﷺ کے صدقے اور جناب رومی علیہ الرحمہ کی روحانی توجہ سے

شادباش اے عشق خوش سودائے ما

پہ کل گفتگو ہوگی۔

میرے عزیزو! اسی پہ اکتفا کرتے ہیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
نور العلم
دار العلوم محمدیہ محی الاسلام صدیقیہ

دفتر اوّل

درس ہشتم

شادباش اے عشق خوش سودائے ما

خوش رہ ہمارے جنون والے عشق۔

اے طبیب جملہ علتہائے ما

اے ہماری تمام بیماریوں کے طبیب!

شادباش: جنون عشق سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ وہی تمام نفسانی رذائل کا معالج ہے۔ تکبر اور حبِّ جاہ کی بیماری اسی سے جاتی ہے۔ وہی اِن امراض کا افلاطون اور جالینوس ہے۔

افلاطون: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا مشہور حکیم ہے۔

جالینوس: روم اور مصر کا مشہور حکیم جس کا مشہور شاگرد بقراط ہے۔

اے دوائے نخوت و ناموس ما

اے ہر تکبر اور عزت طلبی کی دوا!

اے تو افلاطون و جالینوس ما

اے کہ تو ہمارا افلاطون اور جالینوس ہے۔

نحمده ونصلي ونسلم علىٰ رسوله الكريم ﷺ أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم.

الصلاة والسلام عليك يا رسول الله ﷺ وعلىٰ آلك وأصحابك يا حبيب الله ﷺ.

معزز حاضرین، ناظرین اور ذی وقار سامعین! مثنوی شریف کے حوالے سے آج ہماری آٹھویں مجلس ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی نور ٹی وی کی برکت ہے کہ دوستوں کا محبت و کثرت سے محفل میں آنا میرے خیال میں یہ ہماری محفل کا ذریعہ قبولیت اور نجات از معصیت ہونے کی بنیادی دلیل ہے۔

ہمارے کل کے درس میں جو آخری شعر تھا کہ

ھر کرا جامه زعشقے چاك شد

عشق نے جس کو اندر اور باہر سے تمام گناہوں سے نجات دے کر ایک نئی زندگی دی ہے وہ دنیا میں بھی کامیاب اور شادکام ہے۔ وہ اللہ کے نزدیک بھی محبوب ومقبول ہے۔ وہاں عشق کی جلوہ فرمائی ہے۔ عشق کی ساری تدبیریں ہیں جو محبّ کو، عاشق کو محبوب کے ہاں مقبولیت کے لیے اور پہلی نظر ہی میں معشوق عاشق ہی کو معشوق بنالے اُس کے چند آداب ہوتے ہیں۔ جو عشق ترتیب دیتا ہے اور صرف ترتیب ہی نہیں دیتا وہ رفتہ رفتہ وقتاً فوقتاً بلا تامل و تاخیر پوری طرح تطہیر کر کے، تسخیر کر کے اور نئی تعمیر کر کے محبوب کے سامنے کھڑا کر دیتا ہے۔ اُس کے بعد جو شعر پڑھا گیا تھا مثنوی جناب رومیؒ کے ارشادات میں سے ایک حکم وہ صرف شعر ہی پڑھا گیا تھا اُس کا ترجمہ بھی نہیں کیا گیا تھا۔ اب میں اُس شعر کو آپ کے سامنے پیش کر کے اُس کی تھوڑی سی تشریح کروں گا۔ وہ فرماتے ہیں:

شادباش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جمله علتہائے ما

توجہ فرمائیں حضرات! آپ جتنے بھی دوست یہاں بیٹھے ہوئے ہیں بڑے دل، پیار اور محبت والے لوگ ہیں اور میرا خیال ہے جہاں جہاں تک نور ٹی وی کے متوالے اور اس نور ٹی وی کی کرنیں اپنے اندر سمونے والے لوگ بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ وہ سارے وجد و حال والے لوگ ہوں گے۔ تو میں اُن سب کو مخاطب کر کے اسی خوشی کے ساتھ ایک نیا پیغام پہنچا رہا ہوں کہ جناب رومیؒ فرماتے ہیں:

جب بندہ بیمار ہو جائے تو حکیم کی تلاش میں ہوتا ہے۔ سر درد کرے، آنکھ دُکھے، پیٹ میں مروڑ آ جائے، کمر میں تکلیف ہو، گھٹنے میں وَرم ہو جائے، پاؤں، ٹخنے تباہ ہو جائیں، انتڑیاں برباد ہو جائیں، دل پر دورے پڑنے لگیں، سینے میں درد اٹھنے لگے تو طبیب کے پاس لوگ جاتے ہیں اور پھر وہ طبیب نباض ہو تو وہ نبض پکڑ کر بیماری بتا دیتا ہے۔ آج کل تو خیر مختلف طریقے ہیں لیکن ابتدا میں وہ نبض کے ذریعے ہی حکماء مرض معلوم کیا کرتے تھے اور اُس وقت دو قسم کے طبیب ہوا کرتے تھے ایک وہ جو نبض دیکھ کر جسم کی اصلاح کرتا تھا اور دوسرا صرف آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دل بدل دیتا تھا۔

جناب رومیؒ فرماتے ہیں کہ: ظاہر کو ٹھیک کرنے والے طبیب کو آپ سلام کرتے ہیں نا، لیکن جس نے باطن ٹھیک کیا آپ اُس کی طرف بھی رجوع کرتے ہیں؟

شادباش اے عشق خوش سودائے ما

دار العلوم محمدیہ ... نور العلم

اے طبیب جملہ علتہائے ما

کیا کہنے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

شادباش اے عشق خوش سودائے ما

یہاں دو چیزیں ہیں۔ میرے طبیب بھی تم ہو اور میرا مطلوب بھی تم ہو۔ میرا غم بھی تم ہو اور میری چاہت بھی تم ہو۔ میری آرزو بھی تم ہو۔ تیرے ذریعے میرا محبوب میری جستجو بن گیا ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے رہنما بھی تم ہو۔ میں راستہ دیکھنے کے قابل نہیں تھا۔ تو نے گناہ جلا کر میری آنکھیں روشن کیں۔ میرے قدم کمزور تھے تو نے ناہمتی کو ہمتی میں تبدیل کیا ہے۔ تو نے جذبہ محبوب مجھے ایسا پلایا، تم نے ذوق محبوب اور محبت محبوب کی شراب کا نشہ ایسا چڑھایا کہ مجھے راستے کی کوئی تکلیف نظر نہیں آئی۔ تو

شادباش اے عشق خوش سودائے ما

اے میرے محبوب عشق! میں تمہیں آفریں کہتا ہوں۔ میں تمہیں شاباش دیتا ہوں۔ اصل میں یہ لفظ شادباش ہے، ہمارے ہاں مشہور شاباش ہے لیکن اصل میں لفظ ہے شادباش۔ یہ فارسی کا لفظ ہے۔ آپ کسی کو کہتے ہیں چھوٹے بڑے کو شاباش۔ آپ نے فلاں کام کیا شاباش۔ پڑھے لکھے لوگ بھی شاباش کہتے ہیں۔ اصل میں یہ لفظ شاباش نہیں ہوتا، یہ جلدی کی وجہ سے شاباش کہہ دیتے ہیں اصل لفظ ہے شادباش۔ شاد فارسی میں کہتے ہیں خوشی کو اور باش کہتے ہیں رہنے کو۔ تو مطلب یہ ہے کہ تم صدا خوش رہو۔ تم ہمیشہ خوش رہو۔

اب یہ عاشق جس بنا پر اس نے یہ بلندی حاصل کی ہے اُس کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

شادباش اے عشق خوش سودائے ما

اے عشق! تم صدا سلامت رہو۔

اے طبیب جملہ علتہائے ما

تم میری تمام امراض کے بہترین طبیب ہو۔

اے طبیب جملہ علتہائے ما

'جملہ' کا لفظ لائے ہیں جو کہ جمع کو ظاہر کرتا ہے اور 'علتہائے' بھی جمع ہے، جب جمع پر جمع آ جائے تو مزید تاکید ہے۔ نہ کوئی جزوی رہتی ہے اور نہ کوئی کُلّی رہتی ہے۔ نہ اندر کی بیماری نہ باہر کی بیماری۔ لیکن عشق کوئی ایسا طبیب ہے، ایسا حکیم ہے، ایسا ڈاکٹر ہے جو اندر باہر کی ساری بیماریاں دُور کر کے نئی زندگی، نئی صحبت، نیا ذوق، نئے کردار، نئی گفتار، نئی شان، نئی آن عطا کرتا ہے۔

تو یہاں ایک بڑی خوبصورت بات کہتے ہیں۔ آگے جا کے بڑے پیار سے ایک نئی بات چھیڑتے ہیں کہ روحانی علاج عشق تو نے کر ہی دیا ہے اور سب سے پہلے یہ عشق حملہ کہاں کرتا ہے؟ حضرات! میں ایک بات بڑی خوبصورت عرض کرنے لگا ہوں آپ ذہن میں رکھنا۔ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے تو وہ آنکھوں پر اثر نہیں کرتا، وہ کان پکڑ کے نہیں کھینچتا۔ آدمی مسجد کی طرف جائے تو وہ ہاتھ پکڑ کے پیچھے نہیں کھینچتا۔ بدکاری کی طرف جانے لگے تو پیچھے سے اسے دھکا دے کر رفتار اُس کی تیز نہیں کرتا۔ وہ ہاتھ لگاتا ہی نہیں وہ آہستہ سے دل پہ اثر انداز ہوتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کسی پہ شفقت فرمانا چاہیں تو نگاہ پاک اٹھاتے ہیں دل کی دنیا بدل کے رکھ دیتے ہیں اور جب رب العالمین فضل وکرم فرمانا چاہے اور کسی کو اپنا بنا کر اپنی نیت کی دلیل کے طور پر عطا فرمانا چاہے اُس کے دماغ، آنکھوں اور زبان پر کوئی چیز نہیں رکھتا، خدا خود فرماتا ہے کہ: زمین آسمان کتنے لمبے چوڑے ہیں میرے جلوے یہاں نہیں سما سکتے۔ اگر کہیں میرا جلوہ سمائے گا بھی تو وہ مومن کا دل ہے۔

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ.

() ملا علی قاری، مرقاۃ شرح مشکوۃ، ص ۳۹

گویا سارے نظام زندگی میں دل ہی وہ مقام ہے کہ جس کے ساتھ ظاہر و باطن دونوں استوار کیے گئے ہیں۔ ظاہر میں انقلاب آئے تو بذریعہ دل آئے گا اور باطن میں انقلاب آئے گا تو بذریعہ دل آئے گا۔ اس لیے شیطان بھی حملہ آور ہوتا ہے دل پر کہ اسے میں جہنم لے جاؤں اور رحمٰن کرم فرماتا ہے تو دل پر کہ میرا عاشق ہے۔ میرے قرب کی منزل پہ رہے۔ یہ مجھے دیکھے میں اسے دیکھوں۔

اس واقعے کو چھیڑنے کے بعد اب جو حقیقت ہے چونکہ یہ مریض ہے، آدمی مریض ہے، عاشق مریض ہے تو اُس کا علاج عشق نے کیا ہے۔ تو جس زمانے میں ادویات کا سلسلہ شروع ہوا تو دو حکیم مشہور تھے۔ ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا اُس کا نام تھا افلاطون۔ افلاطون ایسا جلیل، جمیل اور عظیم وفہیم اور صاحب قدرت حکیم تھا کہ وہ مریض کو دیکھ کر مرض معلوم کر کے اُس کا علاج کرتا تھا اور توجہ کر کے مرض دور کر دیتا تھا۔

گویا اُس کا سینہ بھی روشن تھا اور دماغ بھی روشن تھا۔ وہ باطن سے بھی منور تھا اور ظاہر سے بھی روحانی آداب اور اُس وقت کے دور کے مطابق جو نیکی اور پاکیزگی کا دستور تھا اُس کے مطابق وہ پاکباز انسان تھا۔ وہ کامل حکیم تھا۔ ظاہر کا بھی وہ علاج کرتا تھا اور باطن کا بھی۔

دوسرا بڑا حکیم جالینوس تھا یہ مصر و روم کے علاقے میں انتہائی مشہور و معروف تھا اور حکیم بقراط جس کی

دنیا میں شہرت ہے یہ اس جالینوس کا شاگرد تھا۔ گویا اُس زمانے میں دو حکیم تھے: ایک جالینوس اور دوسرا افلاطون۔ چونکہ شہرت تھی اُن کی حکمت میں اور وہ نہایت قابل تھے۔ جو مریض گیا ٹھیک ہوئے بغیر واپس آیا نہیں۔ جس مریض پہ انہوں نے نگاہ رکھی، ہاتھ رکھا، نبض چھوئی اور جب نسخہ تجویز کیا اُس پر اُس مریض کو عمل کروانے کے بعد مکمل تندرست کر کے چھوڑا۔ تو سارے عالم میں اُن کی حکمت مشہور ہو گئی۔ جناب رومیؒ سمجھانے کے لیے کہتے ہیں: عشق بھی جالینوس اور افلاطون کی طرح کوئی معمولی نہیں ہے یہ اُن سے بھی بڑا حکیم ہے۔ گویا مثال دے کے سمجھاتے ہیں۔

پھر آگے فرماتے ہیں:

اے دوائے نخوت و ناموس ما

اے تو افلاطون و جالینوس ما

ہم جالینوس کو کیوں تلاش کریں؟ افلاطون کو کیوں تلاش کریں؟ ان دونوں کو ملا کر جتنی قوت بنتی ہے اُس سے تو کہیں زیادہ ہمارے حکیم کے پاس ہے۔ وہ کون ہے حکیم ہمارا؟ اُسی کا نام تو عشق ہے۔ حضرات گرامی! یہاں ایک بڑی بات کہی انہوں نے۔

اے دوائے نخوت و ناموس ما

کہ محبّ و محبوب اور عاشق و معشوق تک نہ جانے دے، محبّ اور محبوب تک نہ پہنچنے دے، طالب کو مطلوب سے دور رکھے۔ دعویٰ اور عمل نہ ہو، علم ہو اور نتیجہ نہ ہو، دانست اور فہم و فراست نہ ہو۔ وہ کون سی چیز ہے جو درمیان میں رکاوٹ بنی ہے نخوت کہتے ہیں تکبر کو۔ حضرات! یہاں ایک بات کہہ دوں: بندہ عالم ہوسکتا ہے؟ اندر تکبر ہو عالم ہوسکتا ہے عاشق نہیں ہوسکتا۔ جس بندے کے اندر تکبر ہو عالم ہوسکتا ہے، لیڈر ہوسکتا ہے، امام ہوسکتا ہے، خطیب ہوسکتا ہے، استاد بن سکتا ہے، وہ قرآن پڑھ اور پڑھا سکتا ہے، وہ حدیث پڑھ اور پڑھا سکتا ہے لیکن بندۂ خدا نہیں ہوسکتا۔ وہ مقبولِ بارگاہ خدا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے سب سے بڑا حجاب جو بندے اور خدا کے درمیان، عابد و معبود کے درمیان، محبّ و محبوب کے درمیان، عاشق و معشوق کے درمیان ہے وہ تکبر ہے اور تکبر کی ابتدا شیطان سے ہوئی ہے۔ اس سے پہلے کسی نے بھی تکبر نہیں کیا۔ اللہ رب العزت کی مخلوق میں سب سے پہلے جس نے تکبر کیا وہ شیطان ہے۔

میں پوچھتا ہوں آپ بھی جانتے ہیں کہ تکبر کے بعد کیا اُس نے عبادت چھوڑ دی تھی؟ کیا تکبر آیا تو علم ختم ہو گیا تھا؟ صرف استاد نہیں رہا تھا۔ علم تو ضائع نہیں ہوا تکبر تھا۔ سجدے تھے لیکن سجدوں کا نور اس لیے ظاہر نہیں ہوا کہ اُس پر تکبر کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ جوں جوں سجدے ہوتے چلے گئے تکبر کی آگ اُن سجدوں کے نور کو

کھاتی چلی گئی اور تکبر ہوتا کب ہے؟ یہ شیطانی صفت ہے اور سب سے بڑا شیطان کا جو حملہ ہے مومن پر وہ تکبر ہے۔

چونکہ شیطان کے راندۂ درگاہ ہونے کی وجہ تکبر ہے۔ تکبر کی بنا پہ وہ رسوا ہوا، ذلیل ہوا، پسپا ہوا، رسوائی ہوئی، جگ ہنسائی ہوئی، لعنت برسی اور قیامت تک برستی رہے گی۔ تو یہ تکبر کی بنا پر جس آدمی کو وہ تباہ کرنا چاہے اُس کے دل و دماغ میں سب سے پہلے تکبر ڈالتا ہے اور میں یہ بات بھی بتا دوں کہ تکبر والے انسان کے متعلق شرعی فیصلہ یہ ہے کہ اُس پر جنت کی فضا حرام ہوتی ہے۔ وہ محدث ہوسکتا ہے ولی نہیں ہوسکتا۔ وہ شیخ بن سکتا ہے فقیر نہیں ہوسکتا۔ بہترین منطق، قرآن و حدیث، تفسیر پڑھا سکتا ہے لیکن اُس کا دل روشن نہیں ہوسکتا۔

دل روشن اُس وقت ہوتا ہے جب مزاج میں عاجزی آئے۔ اب اس کی مثال جناب رومیؒ خود بیان فرماتے ہیں کہ: آپ نے دیکھا نہیں جب درخت بڑا ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ پھل لگتے ہیں۔ جوں جوں اُس کے ساتھ پھل لگتا ہے وہ جھکتا جاتا ہے۔ جوں جوں پھل پکتا ہے وہ جھکتا جاتا ہے اور جناب سعدیؒ تو اس کی مثال بھی دیتے ہیں کہ

نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں

جس شاخ کے ساتھ پھل لگے اُس میں تکبر نہیں رہتا عاجزی آتی ہے۔

عاجزی کی نشانی کیا ہے؟ کہ وہ ٹہنی جھکنا شروع ہو جاتی ہے۔ فرمایا: جب پھل پک جائے تو گرنا شروع ہو جاتا ہے۔ عاجزی جب بندے کو جھکائے تو یہ بھی گرتا ہے اور جب یہ گرتا ہے تو گرتا بھی درِمحبوب پہ ہے اور پھل جب گر جائے اور مالک نہ چنے تو پرندے کھاتے ہیں اور عاشق جب گرتا ہے تو فرشتے اٹھا کر خدا کے حضور پیش کر دیتے ہیں۔ یہ ٹھوکر کھا کے سر کے بل گرنا نہیں ہوتا یہ اپنا آپ مٹا کر مالک کے حضور مٹ جانے کا نام گرنا ہے۔

معلوم ہوا تکبر سب سے بدترین بیماری ہے۔ نہ یہ انجیکشن سے دور ہوتا ہے، نہ یہ نصیحت سے دور ہوتا ہے، نہ یہ قرآن پڑھنے سے دور ہوتا ہے، نہ اس کو سورۂ یوسف پڑھ کر پھونکو تو دور ہوتا ہے، نہ یہ آیۃ الکرسی پڑھ کر پھونکو تو دور ہوتا ہے بلکہ جتنا پڑھو اتنا وہ اکڑتا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں بھی پڑھا ہوا ہوں تو پھر اس کا علاج کون کرتا ہے؟ جناب رومیؒ فرماتے ہیں: اس کا علاج قرآن کی سورت نہیں کرتی اس کا علاج عشق کرتا ہے۔

ایک بڑی مضبوط لکڑی ہو بیس آدمی اُس کو پکڑ کر جھکانا چاہیں نہ جھکے تو پھر اُس کو آہستہ سے آگ کے اندر ڈال دو تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ بیس من لکڑی ہو اور آگ میں جھونک دو اُس کو اور تین چار گھنٹے کے بعد جب آگ ختم ہو گی تو پیچھے کیا رہے گا؟ خاکستر۔ خاکستر اٹھا کے تولو تو کتنی ہو گی؟ اتنی نہیں نا جتنا اُس کا وزن تھا۔

فرمایا: عاشق تکبر والی لکڑی کو سو آدمی نہیں جھکا سکے لیکن آگ لگی تو اُس نے فنا کر کے رکھ دیا۔ اس طرح تمہیں حدیث وقرآن کی تلاوت اور وعظ وتقریر اور یہ چھوٹے موٹے وظائف تکبر سے نہیں بچا سکتے۔ اس سے تکبر اور مضبوط ہوتا ہے کہ میرے جیسا کوئی نہیں۔ اس کے پاس سو دانے کی تسبیح ہے تو پانچ سو کی میرے پاس بھی ہے۔ اگر وہ صغریٰ کبریٰ پڑھنا جانتا ہے تو قرطبی میں بھی پڑھا لیتا ہوں۔

اور اگر وہ مشکوۃ پڑھاتا ہے تو میں بھی بخاری کا درس دے کے آیا ہوں۔ اگر وہ سورۃ فاتحہ پڑھا سکتا ہے تو میں سورۃ بقرہ پڑھا کے آیا ہوں۔ یہ تکبر اُس آدمی کو اٹھاتا چلا جاتا ہے اور عاجزی بندے کو لوٹاتی چلی جاتی ہے۔ یہاں ایک خوبصورت نکتہ میں عرض کر دوں۔ چونکہ باتیں عاشق کی ہیں عاشق ہے بندہ اور اس انسان میں کتنی چیزیں ہیں۔ دیکھئے حضرات! جس سے یہ مکان بنتا ہے، جس سے یہ بندہ بنا ہے۔ آگ کا جوہر، پانی کا جوہر، ہوا کا جوہر اور مٹی کا جوہر، چار ہو گئے اور پانچواں روح، چھٹی کوئی شے نہیں ہے۔

پانچ ہوئیں آگ، ہوا، مٹی، پانی اور روح۔ ان سے یہ وجودِ انسانی بنتا ہے۔ صرف مکان بنا ہے اب اس کو آباد کرنا ہے، آباد نہ پانی کر سکا، نہ ہوا کر سکی، نہ آگ کر سکی نہ مٹی کر سکی، کوئی نئی چیز آئے گی جو اس جہاں کی نہیں ہے، جو اس جنس کی نہیں ہے، کوئی نئی شے آئے گی جو مکان کو زینت بخشے گی وہ ہے روح۔ جب روح انور آئی ہے سب روح اندر آئی ہیں۔ یہ بھی بتا دوں کہ روح کے اندر آنے کی ابتدا کیسے ہوئی۔

حضرت آدم علیہ السلام کا جسم عنصری وجود بشری جب مکمل ہوا تو اللہ رب العزت نے روح کو فرمایا: تشریف لے جائیں، وہ جگہ ہے تمہاری۔ روح جب گئی اندر فوراً باہر آ گئی۔ میں کوئی حکایت نہیں بیان کر رہا میں جیّد حضرات کی لکھی ہوئی تفاسیر کے حوالے سے بات کر رہا ہوں۔ روح اندر گئی فوراً باہر آ گئی۔ اللہ ﷻ نے فرمایا: کیا ہوا؟ جلدی گئی اور جلدی واپس آئی ہو؟ اللہ کریم! بڑا ہی اندھیرا ہے اندر، بڑی دوری ہے۔ اللہ ﷻ نے فرمایا: میں بندوبست کرتا ہوں۔ روح نے کہا: اندھیرا ختم ہو جائے تو حکم ہو تو پھر ٹھہر جاؤں گی لیکن اندھیرے میں نہیں ٹھہر سکتی۔ تو اللہ رب العزت نے اپنے پیارے نبی ﷺ کا نور حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں رکھا تو اُس نور سے سارا جسم منور ہو گیا۔

() خازن، تفسیر، ۱: ۴۶

دیکھئے نا آپ جب آدھی رات گھر جائیں اور بتّی بجھی ہوئی ہو تو آپ بٹن پہلے تلاش کرتے ہیں۔ اِدھر اُدھر سارے مکان میں بٹن تلاش کرتے ہیں کہ روشنی ہو جائے تو آگے جائیں اور گھر ہو بھی آپ کا اور پچاس سال سے اس گھر میں رہ بھی رہے ہیں لیکن بتّی بجھ گئی رات کے گیارہ بج رہے ہیں دل نہیں لگتا آپ کا۔ ارے وہ ہے تیرا بستر، وہ ہے الماری، وہ تیرا سامان، یہ تیرے کپڑے اور یہ تیرا ساز وسامان، وہ تیرا بریف کیس، وہ تیرا قلم و رقم، تیرے پونڈز، ڈالرز وہ پڑے ہیں۔ اندھیرے میں صرف نظر نہیں آتے لیکن تمہیں یقین ہے ادھر

ہی ہیں۔ تو پریشان کیوں ہوتے ہو؟ کہ اندھیرا ہے۔ جس مکان میں پچاس سال سے رہ رہے ہو ایک گھنٹے کے لیے بھی اندھیرا برداشت نہیں کر سکے۔

پہلی دفعہ روح آئے گی جس کو اندھیرے کا پتہ ہی نہیں، وہ کس طرح مانوس ہو گی؟ اس لیے اس کا بندوبست کرنا تھا۔ جب بندوبست ہو گیا تو روح اندر بیٹھی، اللہ ﷻ نے فرمایا: وہیں رہنا۔ دل لگ جائے تو رہنا اور مجھے بتانا کہ کیفیت کیا ہے۔ تو بتاؤ ماجرا کیا ہے؟ کیفیت کیسی ہے؟ تو کہا: اللہ کریم! جو جلوہ وہاں دیکھتی تھی وہ ادھر ہے بھی دیکھ رہی ہوں۔ تو فرمایا: تیرے میرے درمیان جلوؤں کی تقسیم کرنے والی ذات میرے محبوب محمد رسول ﷺ کا نور اب اندر موجود ہے۔

نور اندر موجود ہے تو دیکھئے نا یہ چار چیزیں آگ، ہوا، پانی، مٹی اور ایک روح۔ اب آگ دیکھئے اس میں تکبر ہے، پانی میں تکبر ہے، قوت بھی ہے، حرکت بھی ہے۔ آگ کو دباؤ تو نہیں دبتی، پانی کو روکو تو نہیں رکتا اور ہوا یہ جدھر چاہے حرکت کرتی ہے، چیزیں اڑاتی ہیں ادھر سے اُدھر، درخت اکھاڑتی بھاگتی چلی جاتی ہے اور جو چیز اس کو ملے اس کو بھی اڑاتی چلی جاتی ہے۔

مزاج کتنے قسم کے ہو گئے بندے کے؟ ایک ناری مزاج، دوسرا آبی مزاج، تیسرا ہوائی مزاج، چوتھا خاکی مزاج اور جہاں ناری مزاج غالب ہو جائے جدھر جائے لڑتا ہی جاتا ہے۔ دھواں ہی اٹھاتا جاتا ہے چونکہ مزاج ناری ہے اب وہ آرام سے بیٹھ ہی نہیں سکتا۔ جہاں کیچڑ ہو جائے وہاں پھسلن تو ہوتی ہے اور جہاں بھی آبی مزاج کا آدمی جائے جب تک دو تین کو گرائے نہیں وہ خوش رہتا ہی نہیں اور جہاں ہوا ہوتی ہے ایک جگہ سے چیز اٹھاتی ہے دوسری جگہ پھینکتی ہے۔ لوگوں میں مشہور بھی ہے۔ اُن کو کہنا بھی چاہیے یہ تو ہے ہی ہوائی اس پر اعتبار نہ کرنا کیونکہ یہ بندہ ہوائی ہے اور ناری اور کسی کو یوں ناری کہہ دیں تو ہے ہی ناری اور 109 کا مقدمہ بنتا ہے۔ یہ نار کا بھی جوہر، ہوا اور آگ کا بھی جوہر اور مٹی کا بھی جوہر موجود ہے۔ مٹی اٹھا کر چھوڑو تو نیچے آ کر بیٹھتی ہے اور کوئی شے پانی کے حوالے کرو تو اٹھا کے لیے جاتا ہے، ہوا کے حوالے کرو تو اڑا کے لے جاتی ہے، آگ کے حوالے کرو تو جلا کے راکھ کر دیتی ہے اور مٹی کے حوالے کرو تو سو سال کے بعد بھی وہیں رہتی ہے۔

اس لیے اللہ ﷻ نے یہ چاروں چیزیں اکٹھی کرنے کے بعد جب روح ڈالی تو اس میں جس کا مزاج غالب ہے وہاں عجز و انکساری ہے۔ یہاں عجز و انکسار اور وہاں روح کے ساتھ پیار۔ یہاں انکسار وہاں پیار اور جب یہ دونوں اکٹھے ہوئے تو دونوں کے ملنے سے عشق غالب ہو گیا۔ دونوں غالب ہوئے۔ دونوں ملے تو عشق غالب ہوا اور جب عشق غالب ہوا تو خاک کے مزاج پر روح کا مزاج غالب ہو گیا۔ چونکہ خاک کا مزاج کثیف ہے اور روح کا مزاج لطیف ہے۔

لطیف اور کثیف جب دونوں مقابلے میں آئے تو کثافت پر لطافت غالب ہے۔ کثافت میں بغاوت

ہے۔ لطافت میں عاجزی ہے۔ بغاوت اور عاجزی جب یہ دونوں اکٹھے ہوئے تو بغاوت سے نفرت ہوئی اور عاجزی سے پیار ہوا۔ پیار جب خاک پر غالب ہوا تو روح کا جوہر اور خاک کا جوہر دونوں ملے تو ازل کی آواز آئی۔

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوْا بَلٰی.

() الأعراف، ۷: ۱۷۲

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ (سب) بول اٹھے: کیوں نہیں؟ (تو ہی ہمارا رب ہے)۔

اب روح کو اپنی بات یاد آئی۔ جونہی ایک بات یاد آئی تو تکبر کو ختم کیا، جلایا جلا کے محبوب کی تلاش میں کھو گئی۔ چونکہ جب تک تکبر رہے گا محبوب نظر میں نہیں ہوتا اپنی ذات پر نظر رہتی ہے اور جب تک تکبر رہے لفظ ہوتا ہے 'میں'۔ ٹوپی اچھی ہو تو 'میں'۔ بڑی داڑھی ہو تو 'میں'۔ بازار میں پھر رہا ہے تو 'میں'۔ شراب خانے میں گھس گیا تو 'میں'۔ مسجد میں داخل ہو گیا تو 'میں'۔ اور جب تکبر ختم ہو گیا تو 'میں' ختم ہوئی پھر تو (آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) محبوب سامنے آ گیا۔ اب کیا آواز آئے گی؟ تو (دائیں بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:) اِدھر بھی تُو اُدھر بھی تُو۔ ہر طرف تُو ہی تُو ہے۔ اس لیے حضرت رومیؒ محبت سے پکار کے کہتے ہیں:

اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

نخوت کہتے ہیں تکبر کو اور ناموس کہتے ہیں لوگوں سے جبراً عزت کرانے کا عادی۔ میں آؤں گا مجلس میں درمیان سے گزروں گا نظریں نہ رکنے پائیں، میں اس طرف کھڑا ہوں گا تم اُس طرف کھڑے ہونا۔ جب میں کار سے اتروں گا تم حق ھو کی آواز دینا۔ دوسرا نعرہ لگائے گا، تیسرا دروازہ کھولے گا، پھر مجلس کے درمیان سے گزروں گا۔ پھر اتنا شور و غل کرنا کہ سارے لوگ کھڑے ہو جائیں اور میری تعریف ہو گی، اس کو ناموس کہتے ہیں۔ یہ ناموس مسائل سے نہیں مرتا اس کو عشق کی آگ ہی مارتی ہے۔ اسی لیے جناب رومیؒ فرماتے ہیں:

اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

تو ہی افلاطون ہے میرا، تو ہی جالینوس ہے میرا۔ جس نے ناموس گنوایا، جس نے تکبر مٹایا، جس نے 'میں' کو ذبح کروایا، جس نے درجہ 'تُو' پہ پہنچایا اور پھر جدھر گئے، جہاں گئے تلاشِ یار ہے۔ دریا میں گیا تو اسی کے جلوے، زمیں دیکھتا ہے تو اسی کے جلوے، آسمان دیکھتا ہے تو اسی کے جلوے، درخت دیکھتا ہے تو اُسی کے جلوے۔ پھر پکار اٹھتا ہے۔

در بہاراں گل شدی
در صحنِ گل زار آمدی
خود زدی بانگِ انا الحق
بر سرِ دار آمدی

میں ایک بات بڑی شد و مد سے کہنے لگا ہوں، میں وحدۃ الشہود کا قائل ہوں اور یہ وحدۃ الوجود والوں کا نظریہ ہے۔ میں اس کا ترجمہ نہیں کروں گا۔ شکر ہے آپ میں جرات کر کے سوال کرنے والا بھی کوئی نہیں۔ ادب والے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں وحدۃ الوجود کی طرف آج نہیں جاؤں گا کہ یہ بہت بڑے بڑے جلیل القدر لوگوں کا مسلک ہے اور وحدۃ الشہود بھی بڑے بڑے لوگوں کا مسلک ہے اور جو مجد دِ سرہندیؒ نے سمجھایا اُس دانست کے بعد ہم تمام جو بیٹھے ہیں سب وحدۃ الشہود والے لوگ ہیں۔ میں اس کا یہ ترجمہ سمجھاؤں۔

جیسے یہ میرے اور آپ کے سامنے پھول ہے۔ اسی میں خوشبو ہے۔ یہ پتے نہ ہوں تو خوشبو ظاہر نہیں ہوتی۔ یہ جو گلاب کا پھول ہے اس کا پتہ ہوگا، اس کی پتیاں ہوں گی تو خوشبو اس میں ہوگی اور جب اس کی پتیاں نہ ہوں گی تو خوشبو کہاں تلاش کرو گے؟ جب یہ مخلوق نہ ہوگی تو خدا کا جلوہ کہاں دیکھو گے؟ بہرکیف یہ ساری کائنات عینِ خدا نہیں ہے مظہرِ خدا ہے اور جلوۂ خدا کو ظاہر کرنے کے لیے یہ ساری کائنات وجود میں آئی ہے۔ بڑے پیار سے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

کیونکہ قربان جاؤں تجھ پہ کہ تو نے میرا ایسا علاج کر دیا ہے کہ جب میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں تو اِس میں بھی اُس کا جلوہ دیکھتا ہوں۔ گویا میں نہیں ہوں تُو ہی تُو ہے۔ تو یہ فیضان کس کا ہے۔ تو یہ فیضان عشق کا ہی ہے۔ معلوم ہوا دوستو! اب وہ نتیجہ نکالو، اُس کے ساتھ جتنا یہ اجتماع موجود ہے شاید آپ اتفاق نہ کریں لیکن میں یہ کہنے لگا ہوں کہ یہ خشک نمازیں کسی کام کی نہیں جب تک جلوۂ محبوب ان کے اندر موجود نہ ہو۔

ان شاء اللہ کل میں جلوۂ محبوب نماز کے اندر کس طرح ملتا ہے، جب جلوۂ محبوب نماز میں آئے تو کیا نماز نماز ہی رہتی ہے؟ اس کا فیصلہ کل کریں گے۔

اللهم صل علی سیدنا محمد ﷺ وعلی آل سیدنا محمد ﷺ وبارک وسلم وصل علیه.

آپ تمام حاضرین اور دور ونزدیک سے سننے والے ناظرین وسامعین!

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۝

() المائدۃ، ۵: ۱۵

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی حضرت محمد ﷺ) آ گیا ہے اور ایک روشن کتاب (یعنی قرآن مجید)۝

نور وجہ سرور

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا۝

() النساء، ۴: ۱۷۴

اور ہم نے تمہاری طرف (اسی کے ساتھ قرآن کی صورت میں) واضح اور روشن نُور (بھی) اتار دیا ہے۝

ایک اور مقام پر اللہ رب العزت فرماتے ہیں: میں نے نورِمبین نازل فرمایا۔ یہاں نورِمبین سے مراد قرآن ہے۔فرمایا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۝

() المائدۃ، ۵: ۱۵

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی حضرت محمد ﷺ) آ گیا ہے اور ایک روشن کتاب (یعنی قرآن مجید)۝

تمہاری طرف میرا نور آ گیا ہے اور تمہاری طرف نور نازل کیا ہے۔کبھی اللہ رب العزت نے نبی پاک ﷺ کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ میں نے اُن کو نازل کیا بلکہ فرمایا: میں نے اُن کو بھیجا ہے۔ اور قرآن کے متعلق فرمایا کہ: یہ میں نے نازل کیا ہے۔ آنے والا اور نازل ہونے والا یہ دونوں نور ہیں۔ اُن دونوں نور کے فیضان تقسیم کرنے کے لیے جو ٹی وی معرضِ وجود میں آیا ہے اُس کا نام بھی نور ہے، یہ وجہ سرور ہے۔ یہ حسد، کینہ، بغض کو دور کرنے والا اور سرور بخشنے والا اور نبی کریم ﷺ کے نور کا گیت گا کر دلوں کو نور دینے والا ہے۔ یہ تمام سُنیوں کا متفقہ چینل ہے نور۔ تمام سُنّی حضرات اس کے لیے اپنے آپ قربانی دیں۔ وقف کریں اور گیت گائیں اور نبی کریم ﷺ کی نعتیں پڑھیں۔ اس لیے یہاں چند دن، سال، دو سال، دس سال، بیس سال تم نبی کریم ﷺ

کے گیت گاؤ گے تو قبر سے لے کر حشر تک، حشر سے لے کر جنت تک میرے نبی کریم ﷺ ہی ساتھ لے کے جانے والے ہیں۔

حضرات! باقی مسئلہ ان شاء اللہ کل بیان کریں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين. رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○ وتب علينا انک أنت التواب الرحيم.

جہاں جہاں نور ٹی وی کی اس محفل کو دیکھنے والے لوگ ہیں یہاں سے لے کر اُن کے دلوں تک اللہ رب العزت اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ اللہ رب العزت سب کے دلوں کو نبی پاک صاحب لولاک ﷺ کی محبت کی زنجیر ڈال کر اپنے قرب ومعیت کا سرور عطا فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○ وتب علينا انک أنت التواب الرحيم. برحمتک يا أرحم الراحمين. آمين

دفتر اوّل

درس نہم

در خطاب آدمی ناطق بدے

وہ آدمیوں سے خطاب کرے میں اُن جیسی باتیں کرتی ہوں۔

در نوائے طوطیاں حاذق بدے

طوطیوں کے ساتھ نواسنجی میں ماہر تھی۔

ناطق: قوت گویائی رکھنے والا

حاذق: ماہر، زیرک و چالاک

از قیاسش خندہ آمد خلق را

اُس کے اِس قیاس سے لوگ ہنس پڑے۔

کوچو خود پنداشت خاصب دلق را

کہ اُس نے گدڑی والے کو اپنے جیسا سمجھا۔

دلق: گدڑی

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

پاک طینت لوگوں کے کام کو اپنے پر قیاس کرنا۔

گرچہ باشد در نوشش شَیر و شِیر

اگرچہ لکھنے میں شَیر (درندہ) اور شِیر (دودھ) یکساں ہوتا ہے۔

جملہ عالم ذیں سبب گمراہ شد

اسی وجہ سے پورا عالم گمراہ ہوگیا۔

دار العلوم محمدیہ محی الاسلام الصدیقیہ
العلم نور

کم کسے زابدال حق آگاہ شد

بہت کم کوئی خدا تعالیٰ کے ابدالوں سے واقف ہوا۔

زیں سبب: غلطی کرنے کی وجہ

ابدال: اولیاء اللہ کی ایک خاص جماعت

اشقیاء راد دیدہ بینا نہ بود

بدبختوں کی دیکھنے والی آنکھ نہ تھی۔

اشقیاء: شقی کی جمع بمعنیٰ بدبخت

نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

اچھا اور برا اُن کی آنکھ میں یکساں نظر آیا۔

ہمسری با انبیاء برداشتند

انہوں نے نبیوں کے ساتھ برابری کا دعویٰ کھڑا کر دیا۔

اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

اور اولیاء کو اپنے جیسا سمجھ لیا۔

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر

یہ کہا کہ ہم بھی انسان ہیں اور وہ بھی انسان ہیں۔

گفتہ: یعنی برابری کے دعوے میں یہ کہتے ہیں

اینک: ایں اسم اشارہ اور کاف تصغیر کا ہے۔

ماد ایشاں بستہ خوابیم و خور

ہم اور وہ سونے اور کھانے کے پابند ہیں۔

ایں نہ دانشند ایشاں از عمیٰ

اندھے پن سے یہ نہ سمجھو کہ ان دونوں میں بے انتہا فرق ہے۔

عمیٰ: اندھا پن/گمراہی

ہست فرقے درمیاں بے منتہیٰ

منتہیٰ: انتہا

نحمده ونصلی ونسلم علیٰ رسوله الکریم ﷺ أما بعد فأعوذ بالله من الشیطان الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم.

الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ وعلیٰ آلک وأصحابک یا حبیب اللہ.

سامعین عظام اور مقتدر علمائے کرام اور نور ٹی وی کی وساطت سے دور و نزدیک والے خوش بخت سامعین اور استفادہ کرنے والے محبین! نور ٹی سے محبت اور پیار کے رشتوں سے بندھے ہوئے دل، روح، دماغ، احساسات، خیالات، حالات و مقالات جن احباب نے نور ٹی وی سے وابستہ کر رکھے ہیں اُن کے لیے دعا، تحسین اور کلمات حسن کے بعد آپ کو آج پھر مثنوی شریف کے درس کی برکات میں شریک سمجھ کر بے پایاں مسرتیں محسوس کر رہا ہوں۔

اگرچہ میرے سامنے انتہائی دیدہ ور، بحرِ علم کے شناور اور علم بیان کرنے پر قادر، عمل میں نادر، اپنی کیفیات پہ شاکر اور اپنے مالک کے ذاکر تشریف فرما ہیں اور اُن کے اندر میں خود کو شامل پا کر ایک غیر متزلزل تمانیت کی کیفیت محسوس کرتے ہوئے جناب رومیؒ قدس سرہ السّامی کے حضور نذرانہ محبت پیش کرنے کے لیے مثنوی شریف کھول کر پوری جماعت کے ہمراہ اُن کی روحانی توجہ کا مرکز سمجھ کر کچھ عرض کرنے لگا ہوں۔

معزز حاضرین! اس سے قبل جو درسِ مثنوی ہوا تھا مختلف عنوان پر گفتگو ہوئی تھی۔ بات ہجر کی تھی، عشق کی تھی، وصل کی تھی، تقاضائے وصل کیا ہے؟ اور اسبابِ وصل کیا ہیں؟ ہجر، وصل اور اسبابِ وصل اس کے ساتھ حریصوں اور مطمئن بہ خاطر اور چند اشخاص جو حرص، لالچ میں قیدی ہیں اُن پر گفتگو، اظہارِ خیال اور انہیں نصیحت اور اپنی اپنی منزل سے آگاہ فرمانے کے بعد جناب رومیؒ ایک قدم اور آگے تشریف لے کے جاتے ہیں اور وہاں جا کر صوفیانہ زندگی پر ایک حکیمانہ مگر طائرانہ اشارہ دے کر پھر آگے نکلتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اس جہاں میں، اس ناسوتی عالم میں کچھ ایسا عجیب انتظام ہے اللہ ﷻ کا کہ ایک ہی دنیا، ایک ہی فرش اور ایک ہی ماحول میں ناسوتی اور لاہوتی کو ایک جگہ کر رکھا ہے اور چلتے پھرتے ان کی حقیقت، ان کی کیفیت، ان کی عادت کو یکساں بنا رکھا ہے۔ چلتے ہیں تو ایک ہی طرح، کھاتے ہیں تو ایک ہی طرح، پیتے ہیں تو ایک ہی طرح۔ یہ اشتباہ کا، شبہات کا بڑا قوی ایک راز ہے کہ جو آدمی دوسرے کو دیکھے یہ انسانی تقاضا ہے کہ ہر شخص دوسرے کو اپنی ذات پر قیاس کرتا ہے اور یہ وہ لوگ قیاس کرتے ہیں جو علم کی بنا پر معلومات تک پہنچتے ہیں اور اپنی کیفیت کو مستند سمجھتے ہیں اور دوسرے کو بطورِ دلیل پیش نہیں کرتے اپنے عمل کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں۔

ایک یہ جماعت ہے اور ایک وہ جماعت ہے۔ وہ بولتے کم ہیں، وہ مشورہ کم کرتے ہیں، وہ مجلسوں میں کم بیٹھتے ہیں، اُن کی مجالس میں جونشست و برخاست کا معمول ہے وہ تھوڑا ہے مگر اُس تھوڑے ماحول میں بھی اتنا کچھ کر جاتے ہیں کہ حاضرین اور ناظرین کی زندگیوں کو نیا رنگ دے کر اٹھتے ہیں۔مگر وہ ہوتے ہماری طرح ہی ہیں۔

یہاں کچھ لوگ دانا و بینا،عقل و ہوش وخرد رکھنے والے اور دنیا کے تجربات کی منزلیں طے کرنے والے اُن کو اپنی طرح سمجھنا شروع ہو گئے۔ جیسے پہلے بھی ایک دفعہ درس ہوا تھا کہ اُس میں یہ عنوان آیا تھا کہ جناب رومیؒ کا ارشاد ہے کہ:

کم کسے زابدال حق آگاہ شد

اور

جملہ عالم ذیں سبب گمراہ شد

اب بھی کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جن کا جسم آپ کے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہے لیکن اُن کی باطنی کیفیات مالک الملک اللہ رب العالمین کے قرب کے مزے لے رہی ہیں اورتم اُنہیں اپنی طرح سمجھتے ہو۔اسی بنا پرتو یہ اکثر لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ جادۂ حق سے بیچارے دور ہو گئے ہیں اور منزل حق سے محروم ہو گئے ہیں۔

یہاں سے ایک مثال دے کرسمجھاتے ہیں حضرت رومیؒ ایک خوبصورت اچھوتے انداز میں آسان مگر واضح، شائستہ مگر شستہ، نہایت دل بستہ مگر پیوستہ ایک خوبصورت بات فرماتے ہیں کہ:

ایک دوکاندار نے طوطا پال رکھا تھا، اُس نے طوطے کو بولنا سکھایا اور اتنا سکھایا کہ وہ آدمی کی طرح بولنے لگا اور کمال یہ ہے کہ اپنی جنس میں رہتے ہوئے اپنی جنس کو بھی گفتگو سے محظوظ کرتا رہا اور خلاف جنس جب آدمی آتے تو اُن سے بھی بات کرنے میں مشغول ہو جاتا۔ ایک دن وہ دوکاندار گھر گیا بلّی داخل ہوئی دوکان میں۔ بلّی کی نظر طوطے پر پڑی۔ جب اُس کی نظر بلّی کی نظر سے مقابل ہوئی تو اُس چار نگاہی میں ظاہر ہے کہ بلّی کا خوف طوطے پر وارد ہونا ہی تھا۔ وہ خوفزدہ ہو کر پھڑ پھڑایا۔ اُس نے تیزی سے اُڑ کر بالائی جگہ پر بیٹھنے کی کوشش میں پرواز کی۔قریب ہی ایک بوتل پڑی تھی بادام کے تیل کی، روغن بادام کی تو اُس کے پھڑ پھڑانے کی وجہ سے بوتل زمین پر گری جس سے دوکاندار کی نشست گاہ (کرسی) ساری گیلی ہوگئی۔ بوتل خالی ہوگئی اور وہ اوپر بیٹھ گیا۔

دوکاندار جب گھر سے واپس آیا تو اُس نے جگہ گیلی دیکھی اور طوطے کو دیکھا وہ ایک بالائی سطح پر بیٹھا ہوا ہے تو اُس نے قلم یا پنسل یا کوئی چھوٹی سی چیز لے کر مغلوب الغضب ہو کر غصے میں وہ بیچارہ تڑپا اور زور سے اُس نے قلم پھینکا جو اُس طوطے کے سر پر جا لگا جس سے اُس کے دو چار چھ بال اکھڑ گئے۔ وہ چھوٹے، باریک

سجے ہوئے مرتب بال جو تھے اُن میں سے کچھ اتر گئے تو اُس کی جگہ تھوڑی سی خالی ہوگئی تو اُس کو بڑا رنج ہوا۔ طوطے نے بولنا چھوڑ دیا۔ اب یہ اسے بولانا چاہے وہ بولے نہ۔ اِس کا غصہ ٹھنڈا ہوا اُس کا غصہ گرم ہوگیا۔ یہ بول رہا تھا اور وہ نہیں بولتا تھا۔

دو چیزیں بڑے کام کی عرض کروں کہ چپ رہنے کے وقت بولنا اور بولنے کے وقت چپ رہنا یہ عقل کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ برداشت نہ کرنا اور غصے میں آ کر کچھ کر بیٹھنا یہ بھی انسانی معیار کے خلاف ہے اور بعد میں نادم ہونا یہ اُس کی کوتاہی اعمال کی علامت ہے۔ اس لیے فرمایا کہ بعد میں نادم ہونے سے بہتر ہے کہ پہلے ہی سمجھ لو۔ غصہ تین چیزوں کا دشمن ہے۔ عقل کا: عقل جب ویران ہوتی ہے تو اختیارات لرز جاتے ہیں اور دولت کا: غصے میں آ کر وہ دولت کو بھی لگا دیتا ہے۔ کہ جو بھی ہو مدمقابل تباہ ہو جائے۔ دولت لگتی ہے تو لگاؤ۔ غصہ دشمن ہے دولت کا اور عزت کا۔ عقل بھی گئی، دولت بھی گئی، عزت بھی گئی۔

اس لیے حکم ہوتا ہے کہ اس بقال کو سامنے رکھو۔ دکاندار کو سامنے رکھو۔ تھوڑی سی حرکت کرنے کے بعد خود کئی دن مسلسل تڑپتا رہا اور ایک جانور کی منت سماجت کرتا رہا لیکن وہ نہ مانا، طوطا نہ مانا۔ وہ پریشان تھا، آخر ایک شخص آیا اُس کا سر دو کانوں سے لے کر گردن تک اور پیشانی سے لے کر پچھلی گردن تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک سارا سر خالی تھا۔ جس طرح کہ تھال ہوتا ہے۔ طوطا کہنے لگا ہاں مجھے اب پتا چلا مجھ سے ایک بوتل اُلٹی تھی تو یہ حال ہوا تُو نے تو پورا ڈرم ہی الٹ دیا ہوگا۔

جب مثال اُس نے بیان کی تو وہ سب شور برپا ہوگیا کہ طوطا بولنے لگ گیا، طوطا بولنے لگ گیا اور وہ پھر چپ ہوگیا۔ اُس نے کہا کہ اُس آدمی کو تلاش کرو اور جب وہ سامنے آیا طوطا مسکرائے اور باتیں کرے کہ تم اور میں دونوں ایک جیسے ہیں۔ میں نے بوتل گرائی تھی اور تو نے ڈرم گرایا ہوگا کیونکہ میرے تو چھ بال گرے ہیں اور تیرا تو ستیاناس ہوگیا۔

یہاں آ کے حضرت رومیؒ بڑے پیار کی بات فرماتے ہیں کہ اے لوگو! کچھ غور کرو یہی تو مقام غور ہے اور ان ہی سے دل بستہ پیوستہ مثالوں سے وہ انسان کو اُس کی انسانیت کے مدارج سے آگاہ فرما دیتے ہیں۔ یہاں آ کے بڑی خوبصورت بات فرماتے ہیں:

در خطاب آدمی ناطق بدے
در نوائے طوطیاں حاذق بدے

مردوں کے ساتھ، انسانوں کے ساتھ، عورتوں کے ساتھ اُن جیسی باتیں کرتا ہے۔ تو یہ جانور باتیں انسان جیسی کرتا ہے اور جب طوطے آتے ہیں تو اُن کی اداؤں میں اُن کی چہچہاہٹ میں بڑا حاذق تھا، بڑا تجربہ

کار تھا۔ بڑی فہم وفراست کا مالک تھا۔ آگے جا کے حضرت رومیؒ انتہائی خوبصورت بات کرتے ہیں:

از قیاسش خندہ آمد خلق را

کوچو خود پنداشت خاصب دلق را

تو ایک گدڑی پوش آیا اُس کو اپنی طرح سمجھ کے بولنے لگا جب وہ کہنے لگا ہم دونوں ایک ہیں تو جناب رومیؒ فرماتے ہیں: طوطے! یہی تو تیری نادانی کی دلیل ہے کہ تو حیوان ہو کے بھی انسان کو اپنے جیسا سمجھتا ہے۔ یہی تو تیرے بیوقوف ہونے اور تیرے جانور ہونے کی، حیوان ہونے کی دلیل ہے کہ تو ہو کے جانور ایک انسان کو اپنی طرح کہتا ہے۔معلوم ہوا جو ناجنس کو اپنی جنس سمجھے وہ حیوان ہے اور کوئی کسی اعلیٰ کو اپنی طرح ادنیٰ سمجھنے لگے تو وہ بھی جانور ہے۔

اسی حقیقت کو واشگاف کرنے کے لیے آگے بڑے واضح الفاظ میں ارشادفرماتے ہیں:

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

گرچہ باشد در نوشش شَیر و شِیر

مماثلت دوقسم کی ہے، ایک لفظی مماثلت ہے ایک جسمی مماثلت ہے، ایک علمی مماثلت ہے۔فرماتے ہیں:

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

کہ اے طوطے! تیری جرات پہ مجھے حیرت ہوئی کہ ہے تو جانور اور انسان کو تو اپنی طرح سمجھتا ہے۔ آگے جا کے فرماتے ہیں: اے ناپاکو! پاکبازوں کو اپنی طرح سمجھتے ہو؟ میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں:

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

تم نے اپنی طرح نیک لوگ دیکھے ہیں روٹی نوالہ توڑتے ہیں تم بھی نوالہ توڑتے ہو۔ توڑتے ہیں، کھاتے ہیں، چبھاتے ہیں تم بھی نوالہ توڑتے ہو، چبھاتے ہو، منہ میں ڈالتے ہو،حلق سے اتارتے ہو۔ اس کو کھاتا ہوا دیکھ کر اپنی ذات پر قیاس کرنے لگے ہو۔ یہ بھی روٹی کھاتا ہے میں بھی کھاتا ہوں۔ اس کی آنکھیں بھی دو ہیں میری آنکھیں بھی دو ہیں۔ اس کا بھی ناک ہے، اس کی بھی پانچ انگلیاں اور ہاتھ ہیں۔ اس ظاہری مماثلت کو اپنی طرح نہ سمجھو۔ اگر یہی سمجھتے ہو تو فرماتے ہیں:

گرچہ باشد در نوشش شَیر و شِیر

میں مماثلت بتاؤں کہ لفظ شَیر اور شِیر میں یہ مماثلت کیسی ہے؟ لفظی مماثلت کے ش، ی، ر اِدھر بھی

ہے اور ش، ی، ر اُدھر بھی ہے۔ شَیر اور شِیر دونوں ایک جیسے ہیں۔ اس لفظی مماثلت کی مطابق آپ کہنا چاہو گے کہ شَیر اور شِیر دونوں ایک ہیں۔ اگر یہ لفظی مماثلت کی بنا پر دو متضاد جنسیں ایک نہیں ہو سکتیں تو ظاہر پہ قیاس کر کے دو متضاد مقام پہ رہنے والوں کو ایک مکان کا مکین سمجھنا کیا تم جانور نہیں ہو؟ کیا یہ تیری حرکت، تیری سوچ، تیرا یہ اندازِ پندار کیا یہ جانوروں والا نہیں ہے؟ تم تو جانور ہو اگر اب بھی تم نہیں سمجھے تو میں تمہیں یہ بتا دوں شیر تو وہ ہوتا ہے جو پھاڑتا ہے، چیرتا ہے، ہڈیاں توڑتا ہے اور شِیر وہ ہوتا ہے جو انسان کو راحت پہنچاتا ہے۔ کیا راحت پہنچانے والے اور چیر پھاڑ کے کھانے والے دونوں ایک ہوتے ہیں؟

تو کیا اعلیٰ منزل والوں کو رذیلوں میں شامل کرنا اُن کاملوں کو رذیلوں میں شامل کرنے والے کیا تم بھی اُن جانور کی طرح نہیں ہو کہ اپنی رذالت کی آنکھوں سے اُن کاملوں کو اپنی طرح سمجھ رہے ہو۔ اسی لیے فرمایا:

کم کسے زابدال حق آگاہ شد
جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد

یہ لوگ جو پاکباز ہیں لباس، کلام، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، بولنا بولوانا، سننا سنانا یہ بھی تمہاری طرح ہیں۔ تم میں رہتے ہیں لیکن فرق اتنا ہے میں بتاتا ہوں۔ جناب رومیؒ فرماتے ہیں: اٹھاؤ ترازو ایک طرف ہیرے رکھو اور اُس کو توڑنے کے لیے دوسری طرف پتھر رکھو۔

سامعین کرام! توجہ فرمائیں۔ ترازو کے ایک طرف ہیرا رکھو اور دوسری طرف تولنے کے لیے پتھر۔ یاد رکھیں! جس کو تولا جاتا ہے وہ جنس دوسری ہوتی ہے۔ ایک جنس کی دو چیزیں نہیں تولی جاتیں۔ گندم تولتے ہو جنس کوئی اور ہو گی وزن والی جس سے تم گندم کا وزن کرو گے۔ روٹی تولتے ہو تو وزن کا حساب کرنے کے لیے کوئی جنس اور ہو گی۔ تو ہم ہیرا تولتے ہیں ترازو پر ہیرا رکھتے ہیں۔ سونا جب تولتے ہیں تو مقابل میں سونا نہیں رکھا جاتا کچھ اور اُس کے تولنے کے پیمانے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب ہیرا تولا جائے تو دوسری طرف پتھر رکھتے ہیں۔ اور جب دونوں برابر ہوں تو چھوڑ دیں۔

وہ پتھر کہے کہ ہم دونوں ایک ہیں، وزن دونوں کا برابر ہے۔ بات سمجھے ہیں حضرات! اگر وہ پتھر کہے کہ ہم دونوں ایک ہیں، ہمارا معیار اور مقام ایک ہے۔ جب ہم تل رہے تھے تو وزن دونوں کا برابر تھا تو جواب دینے والے یہ جواب دیتے ہیں کہ تم نے اُن کی ظاہری صورت کو دیکھا ہے ہم ماہیت دیکھتے ہیں۔ تم صورت دیکھتے ہو ہم حقیقت دیکھتے ہو۔ تم ظاہر بین ہو ہم حقیقت بین ہیں۔ وہ ہیرا ہے تم ریت کا ذرہ ہو۔ تم قیمت میں زوال پذیر ہے اور وہ عظمت میں دائمی کمال کا مالک ہے۔ لہٰذا برابر تلنے کے لیے تم ایک نہیں ہوئے۔ اسی لیے فرمایا کہ:

جملہ عالم ذیں سبب گمراہ شد

آگے جا کے فرماتے ہیں کہ مثالوں سے شاید نہ ہی سمجھو تو میں کیوں نہ پردہ ہی سارا چاک کر دوں۔

اشقیاء راد دیدہ بینا نہ بود

نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

جو ازلی بدبخت ہوتے ہیں اُن کی آنکھوں میں وہ نور و ادراک وہ قوت تحقیق وہ نورِ امتیاز کی کرن نہیں ہوتی جس سے وہ نیک و بد میں جدائی کرتے۔ لہٰذا یہ برے لوگ

اشقیاء: شقی ازلی، بدبخت ازلی۔ ان کی آنکھوں میں وہ نور نہیں ہوتا جو امتیاز کرے۔ تو نیک و بد، برے اور نیک کو ایک ہی طرح دیکھتے ہیں۔ ان ناپاکوں نے، اشقیاء نے اعلان کر دیا تھا:

ہمسری با انبیاء برداشتند

مگر ان ظالموں کی عقل تو دیکھو پتھر پڑ گئے ان کی عقل پر۔ پنجابی کا ایک مقولہ ہے: خدا کسے نوں چنڈ وی نئیں ماردا، دھکا اوہ نئیں ماردا، مَت ماردا اے۔ سمجھو حضرات! یہ پنجابی جملہ ہے۔ نہ خدا مکّا مارے، نہ لَت مارے، مَت ماردا اے۔ جس کی مت ماری جائے وہ ازلی شقی ہوتا ہے۔ ازلی شقی کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام کے مقابل میں سمجھتے ہیں۔ اپنے آپ کو وہ انبیاء علیہم السلام کے مماثل سمجھتے ہیں۔ وہ کھاتے ہیں تو ہم بھی کھاتے ہیں، اُن کا باپ ہے ہمارا بھی ہے، اُن کی ماں ہے تو ہماری بھی ہے، اُن کی بیویاں ہیں تو ہماری بھی ہیں، اُن کے بچے ہیں ہمارے بھی ہیں، وہ بھی زمین پر رہتے ہیں ہم بھی رہتے ہیں، وہ پانی پیتے ہیں ہم بھی پیتے ہیں۔

اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

برابری انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کرتے ہیں اور اولیائے کرامؒ کو دیکھ کر کہتے ہیں ہم میں تو ان میں فرق ہی کوئی نہیں، جن کا فرق تھا ہم نے غور کر کے دیکھا ہم بھی انہی کی طرح ہیں۔ اگر نہیں مانتے تو بعض اُس شقی کے نسب میں ہی سے چلے آئے ہیں۔ انہوں نے کہہ بھی دیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے تو خود فرمایا ہے:

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ.

() الکہف، ۱۸: ۱۱۰

میں تو صرف (بخلقتِ ظاہری) بشر ہونے میں تمہاری مثل ہوں۔

ہمسری با انبیاء برداشتند

یہ قول فرمانِ خدا ہے۔ ہم انبیاء علیہم السلام کو اپنی طرح اور خود کو انبیاء علیہم السلام کی طرح سمجھتے ہیں اس لیے کہ قرآن نے خود کہا ہے کہ:

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ.

میں تو صرف (بخلقتِ ظاہری) بشر ہونے میں تمہاری مثل ہوں۔''

ہم بھی بشر ہیں وہ بھی بشر ہیں۔ ہم بھی یہیں رہتے ہیں وہ بھی یہیں رہتے ہیں۔ ہم ایک جیسے ہیں قرآن اس کی گواہی دیتا ہے۔

حضرات! یہاں دو تین چیزیں ذہن میں رکھنا۔ پہلی بات یہ کہ کہا کس نے؟ پہلے نے تو خدا نے کہا کہ ایسا کہو، پھر آ کے جبرائیل علیہ السلام نے کہلوایا پھر نبی ﷺ بولے۔ اس میں حکمت کیا تھی؟

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر
ماد ایشاں بستہ خوابیم و خور

حکمت یہ تھی نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام بشریت کا لباس پہن کر ہدایت کے لیے تشریف لائے۔ مجسم بشر بن کر، بشریت کا لباس پہن کر، حقیقت کو لباس بشریت کے اندر محجوب فرما کر تشریف لائے تا کہ دیکھنے والے دیکھیں تو میں انہی کی طرح نظر آؤں۔ خون بھی نظر آئے، انہیں ہڈی بھی نظر آئے، انہیں پوست بھی نظر آئے، انہیں گوشت بھی نظر آئے، انہیں رگیں بھی نظر آئیں، انہیں سر بھی نظر آئے، انہیں گفتگو بھی نظر آئے، انہیں آرزو بھی نظر آئے، انہیں جستجو بھی نظر آئے، انہیں رفتار بھی نظر آئے، انہیں گفتار بھی نظر آئے، انہیں لیٹنا بھی نظر آئے، انہیں بیٹھنا بھی نظر آئے۔ انہیں میرے مشروبات و ماکولات بھی نظر آئیں اور اپنے مشروبات و ماکولات بھی نظر آئیں۔ وہ مجھے عورتوں کے درمیان سے گزرتا دیکھیں تو اپنی حالت کو دیکھ کر کہہ دیں:

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر

یہ تو ہمارے جیسے ہیں۔ اور نبی ﷺ خود فرماتے ہیں: ظالمو، کافرو! منزل اور حقیقت سے بے خبرو! دیکھو تو سہی میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں۔ گالیاں کیوں دیتے ہو، انکار کیوں کرتے ہو۔ سنو تو سہی میں کہنا کیا چاہتا ہوں۔ آپس میں اکٹھے کیوں ہو؟ تم انسان ہو، بشر ہو، تم پیار کیوں کرتے ہو؟ تم بشر ہو۔ تو میں بھی بشر ہوں۔ آپس میں بولتے ہو تو میں بھی بولتا ہوں، تم بھی عربی بولتے ہو میں بھی عربی بولتا ہوں۔ تم بھی مکہ میں رہتے ہو میں بھی مکہ میں رہتا ہوں۔ تم بھی قریشی ہو میں بھی قریشی ہوں۔ والدین تمہارے بھی والدین میرے بھی ہیں۔ مجھ سے نفرت کیوں کرتے ہو؟ آپس میں پیار کرتے ہو مجھ سے بھی تو پیار کرو۔ نہیں پیار کرتے تو نہ کرو میری بات تو سنو اور جو کان رکھتا حضور بات فرماتے تلواریں میان میں چلی جاتیں۔ آنکھیں برس جاتیں، منہ کھل جاتا،

معافی کے کلمات نکلتے۔ نبی پاک ﷺ نگاہِ کرم سے دل کے اندر کلمے کا نور اتارتے۔ خدا کے ہاں انہیں محترم بنا کر، مومن بنا کر ایک طرف کر دیتے۔ فرمایا: کافرو! تم ادھر بیٹھو، ایمان والو! تم ادھر بیٹھو۔ کافروں کی طرف منہ کر کے فرمایا:

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ.

میں تو صرف (خلقتِ ظاہری) بشر ہونے میں تمہاری مثل ہوں۔

تم کیوں بھاگتے ہو؟ میں تمہاری طرح نہیں ہوں؟ یہ دیکھو میرے ناخن، یہ بال دیکھو، یہ ہاتھ دیکھو، یہ چہرہ دیکھو، یہ بولنا دیکھو، یہ لباس دیکھو، تم نے بھی بازار سے لباس خریدا ہے، میرا بھی بازار سے لباس آیا، تم دیکھو اپنا آپ اور مجھے۔ پانچ پانچ انگلیاں نہیں ہیں؟ دو دو آنکھیں نہیں ہیں؟ دانت اور دو دو کان نہیں ہیں؟ جسم، پوست، گوشت، ہڈی، خون نہیں ہے؟ یہی خون تم میں بھی ہے، مجھ میں بھی ہے۔ بھاگتے کیوں ہو؟ آؤ تو سہی بات سنو۔ میں بشری لباس پہن کے آیا ہوں۔

آپ کو پتہ ہے جب شکاری شکار کرنا چاہے اور کوئی پرندہ قابو نہ آ رہا ہو تو بڑا شیشہ رکھ کے اُس کے پیچھے وہ شکاری بیٹھ کر پرندے کی بولی بولتا ہے۔ جب پرندہ اپنی طرز اور اپنے لہجے کی صدا سنتا ہے تو اڑتا ہوا آتا ہے۔ آگے جال لگا ہوا ہوتا ہے۔ شیشے میں اپنا آپ دیکھتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ میں اپنی جنس کے اندر آ گیا ہوں۔ آگے جال لگا ہوتا ہے۔ وہ جال میں پھنس جاتا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ظالمو! دیکھو تو سہی:

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ.

میں تو صرف (خلقتِ ظاہری) بشر ہونے میں تمہاری مثل ہوں۔

میں تمہاری طرح ہوں۔ یہ ہے شیشہ بشریت کا۔ آؤ تو سہی، آگے نبوت کا جال لگا ہوا تھا۔ آگے محبت کا جال لگا ہوا تھا۔ آگے حسنِ رب کا شیشہ لگا ہوا تھا۔ جب انہوں نے اپنا آپ دیکھا تو سمجھا کہ ہم اور اِن میں کیا فرق ہے؟

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر

یہ بھی ہمارے جیسے۔ جب قریب آئے جال میں پھنسے۔ حبِّ رسول ﷺ نے، خُلقِ رسول ﷺ نے، کرم رسول ﷺ نے، معجزۂ رسول ﷺ نے، محبت و کرم نے جب اُن کی زندگی میں انقلاب بپا کیا، کفر کو ہٹا کر ایمان داخل کیا، جہنم کا دروازہ بند کیا جنت کی فضاؤں میں سیر کرایا، جلوۂ حق روح کے اندر آیا تو جب اُن کی زبان اور روح سے آواز آئی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ۔ آپ بشر ہماری طرح نہیں ہیں۔ آپ تو محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ہم اور ہیں آپ ﷺ اور ہیں۔ فرمایا: اُس جماعت میں چلے جاؤ۔ اُدھر بٹھا کے پھر منہ اِدھر کیا۔ بھاگتے ہو

ظالمو!

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ.

میں تو صرف (بخلقتِ ظاہری) بشر ہونے میں تمہاری مثل ہوں۔

بھاگتے ہو؟ اِدھر تو آ ؤ نا۔ میری بات نہیں سنتے؟ جب اُن کو سنا لیا تو پھر اِدھر منہ کیا۔ اے لشکر! وہ اور ہیں تم اور ہو، میں اور ہوں۔ میں حبیب اللہ ہوں تم امتی ہو رسول اللہ ﷺ کے۔ اور وہ مجرم ہیں رسول اللہ ﷺ کے۔ تم محرم ہو وہ مجرم ہیں۔ تم اپنے ہو وہ بیگانے ہیں۔ تم لطیف ہو وہ کثیف ہیں۔ تم اجالے میں ہو وہ ظلمت میں ہیں۔ میں دونوں کو سمجھانے آیا ہوں۔

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ.

میں تو صرف (بخلقتِ ظاہری) بشر ہونے میں تمہاری مثل ہوں۔

تم میری طرح ہو میں تمہاری طرح ہوں اور جب ایمان والوں کو خطاب فرمایا تو یوں فرمایا!

اِنِّیْ لَسْتُ كَأَحَدٍ مِنْكُمْ، أَيُّكُمْ مِثْلِيْ؟

() بخاری، الصحیح، کتاب المحاربین، باب کم التعزیز والأدب، ۶:۲۵۱۲، الرقم: ۶۴۵۹

کون ہے تم میں میرے جیسا؟

میں تم جیسا نہیں ہوں اور تم میرے جیسے نہیں ہو۔ فرماتے ہیں حضرت رومیؒ:

این نہ دانشند ایشاں از عمیٰ
هست فرقے درمیاں بے منتہیٰ

انہوں نے پہچان لیا، انہوں نے دیکھ لیا۔ انہوں نے بھی دیکھا وہ پہچان نہ سکے یہ پہچان گئے اور جنہوں نے پہچانا ساری زندگی انہوں نے نبی ﷺ کو بے مثل مانا اور جنہوں نے نہیں پہچانا وہ ساری زندگی اپنی طرح سمجھتے رہے۔ جناب رومیؒ فرماتے ہیں: کہ وہ کیوں نہ سمجھے اور یہ کیوں سمجھے؟ انہوں نے کیوں نہ پہچانا انہوں نے کیوں پہچانا؟ دو آنکھیں اُن کی بھی ہیں، دو آنکھیں اِن کی بھی ہیں؟ اللہ رب العالمین کے محبوب جناب رومیؒ فرماتے ہیں:

یہ اس لیے پہچان گئے کہ اِن کی سر کی آنکھیں بھی کام کر گئیں، دل کی آنکھیں بھی کھل گئی تھیں۔ اُدھر جب خیال گیا تو اللہ ﷻ نے فرمایا: دیکھتے تو ہیں لیکن اُن کی آنکھوں میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لیے

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ○

() الحج، ۲۲: ۴۶
تو حقیقت یہ ہے کہ (ایسوں کی) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں○

دیکھتے تو ہیں، آنکھیں تو اندھی نہیں ہیں۔ وہ آنکھیں جو حق و باطل کے درمیان فرق کریں وہ دل کے اندر ہیں وہ مرگئی ہیں۔ وہ بجھ گئی ہیں۔ وہ اندھی ہوگئی ہیں۔ وہ کبھی نہ پہچانیں گے اور یہ کبھی نہ بھولیں گے۔ اس لیے فرماتے ہیں: کہ اندھا ہونا یہ بھی رب کی طرف سے بہت بڑی مار ہے، ہلاکت ہے، مرکز بے اعتبار ہے اور مورد تبار ہے۔ تباہی و بربادی ہے۔ جس کے دل کی آنکھ بند ہو، یہ دو وجہ سے بند ہوتی ہے۔ دنیا دار کی اُس وقت بند ہوتی جب حرص غالب ہو اور حقیقت کی طلب ختم ہو جائے تو دل کی آنکھ بند ہوتی ہے مگر اُس کے کھلنے کے امکانات واضح ہوتے ہیں۔ یہ کسی کی نظر سے نظر لگے تو آنکھیں کھل جاتی ہیں اور جو کفر کی بنا پر آنکھیں اندھی ہو جائیں وہ نہیں کھلتی تاوقتیکہ خدا نہ کھولے۔

اور ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام گھبرانے لگے اور جو بھی آئے اُس پہ توجہ فرمانے لگے تو رب نے فرمایا: میرے محبوب! ہدایت دینا میرا کام ہے، مشقت میں آپ اپنے آپ کو نہ ڈالو۔ یہ اختیار کسی کو دیتا ہی نہیں۔ میں قرآن کی آیت کا ترجمہ کر رہا ہوں۔

معزز حاضرین! آپ توجہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ.

() القصص، ۲۸: ۵۶
حقیقت یہ ہے کہ جسے آپ (راہِ ہدایت پر لانا) چاہتے ہیں اسے راہِ ہدایت پر آپ خود نہیں لاتے بلکہ جسے اللہ چاہتا ہے (آپ کے ذریعے) راہِ ہدایت پر چلا دیتا ہے۔

مورد جیسا بھی ہو، شانِ نزول جیسا بھی ہو میں عموم پہ نظر رکھے ہوئے ہوں۔ فرمایا:

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ.

() القصص، ۲۸: ۵۶
حقیقت یہ ہے کہ جسے آپ (راہِ ہدایت پر لانا) چاہتے ہیں اسے راہِ ہدایت پر آپ خود نہیں لاتے بلکہ جسے اللہ چاہتا ہے (آپ کے ذریعے) راہِ ہدایت پر چلا دیتا ہے۔

نبی پاک ﷺ نے کسی کافر سے بھی اپنی نظر نہیں پھیری اور یہ چاہا صبح شام کہ یہ جنت جائے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جسم لہولہان کرواتے؟ پنڈلیاں خون چکاں ہوتیں؟ سینہ زخمی ہوتا؟ ہاتھ خون آلود ہوتے؟ کوڑا کرکٹ جسم پر گرواتے؟ اسی لیے فرمایا:

اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ.

() القصص، ۲۸: ۵۶

حقیقت یہ ہے کہ جسے آپ (راہِ ہدایت پر لانا) چاہتے ہیں اسے راہِ ہدایت پر آپ خودنہیں لاتے بلکہ جسے اللہ چاہتا ہے (آپ کے ذریعے) راہِ ہدایت پر چلا دیتا ہے۔

چونکہ آپ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ اُس عالم میں کافر بھی ہیں۔ اس عالم میں تیرے دوست بھی ہیں اور تیرے دشمن بھی ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے دشمن پہ بھی مہربانی اور دوست پہ بھی مہربانی ہے۔ اس لیے فرمایا: تیری محبت عام ہے اور میں اعلان کرتا ہوں:

اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ.

() القصص، ۲۸: ۵۶

حقیقت یہ ہے کہ جسے آپ (راہِ ہدایت پر لانا) چاہتے ہیں اسے راہِ ہدایت پر آپ خودنہیں لاتے بلکہ جسے اللہ چاہتا ہے (آپ کے ذریعے) راہِ ہدایت پر چلا دیتا ہے۔

اسے میری مرضی پہ رہنے دو۔ ہم نے دوزخ بھی بھرنا ہے۔ تیری مرضی رہی تو دوزخ میں کوئی جائے گا اور کوئی بات ایسی بات بتاؤ کہ ہو فعلِ خدا اور وہ ہو بے مقصد؟ ہو حکیم کا فعل اور اُس میں حکمت نہ ہو؟ ہو خدا کا قانون اور اُس میں کوئی عجیب قسم کی حکمت نہ ہو؟ فلسفہ نہ ہو؟ بناؤں میں دوزخ اور آباد نہ ہو؟ اور تجھے رحمت اللعالمین بنا کر اتنی چھٹی دے دوں کہ دوزخ دیکھتا ہی رہ جائے اور جنت بھر جائے اور دوزخ خالی رہ جائے۔ اس لیے:

اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ.

() القصص، ۲۸: ۵۶

حقیقت یہ ہے کہ جسے آپ (راہِ ہدایت پر لانا) چاہتے ہیں اسے راہِ ہدایت پر آپ خودنہیں لاتے بلکہ جسے اللہ چاہتا ہے (آپ کے ذریعے) راہِ ہدایت پر چلا دیتا ہے۔

تیری بھی مانوں گا لیکن اپنی زیادہ کروں گا۔ تیرے گستاخوں کے لیے وہ اور میرے چاہنے والوں کے لیے یہ ہے۔ جو میرے لیے سجدہ کرے اِدھر لے آ اور جو تجھ سے منہ موڑے تو میں اُس کو اُدھر لے جاؤں گا

انہیں۔ ایک جگہ آپ رکھیں اور ایک جگہ میں رکھتا ہوں۔ ایک آپ انتخاب کر لیں دوسرا میں انتخاب کرتا ہوں۔ جو سجدے کریں تو اُن کو اُدھر لے جا جو میرے لیے سجدے کریں اُن کو جنت لے جا اور جو تجھ سے منہ پھیرے اُن کے لیے تو مداخلت نہ کرنا۔ میں اُن کو اُدھر لے جاؤں گا۔ اس لیے میں آپ کی تسلی کے لیے کہتا ہوں:

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ.

() القصص، ۲۸: ۵۶

حقیقت یہ ہے کہ جسے آپ (راہِ ہدایت پر لانا) چاہتے ہیں اسے راہِ ہدایت پر آپ خود نہیں لاتے بلکہ جسے اللہ چاہتا ہے (آپ کے ذریعے) راہِ ہدایت پر چلا دیتا ہے۔

یہاں لفظ **لکن** بلا استدراک ہے۔ تو معنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ بالکل ہی اختیار نہیں۔ نبی پاک ﷺ! میں نے پورا اختیار دے دیا ہے آپ کو لیکن میرے حال کو میرے حال پہ ہی رہنے دیں۔ اس لیے کہ میں نے پہلے بھی آپ ﷺ سے کہا ہے۔ اب میں تشریح کرتا ہوں۔

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ.

() القصص، ۲۸: ۵۶

حقیقت یہ ہے کہ جسے آپ (راہِ ہدایت پر لانا) چاہتے ہیں اسے راہِ ہدایت پر آپ خود نہیں لاتے بلکہ جسے اللہ چاہتا ہے (آپ کے ذریعے) راہِ ہدایت پر چلا دیتا ہے۔

محبوب ﷺ! جس نے آپ کو نہیں مانا وہ ستر مرتبہ بھی توبہ کرے میں قبول نہیں کروں گا۔ یہ قرآن مجید میں ہے نا؟ اور جو ایک دفعہ بھی آپ ﷺ کو مان گیا وہ ستر سال کافر ہو ہم راضی ہو جائیں گے۔ وہ ستر سال کا کافر ایک بار تجھے راضی کر لے گا میں راضی ہو جاؤں گا اور تجھے ناراض کر کے نفل بھی پڑھتا رہے اور ستر ہزار مرتبہ توبہ کرتا رہے ہم نہیں چھوڑیں گے۔ اُن کو کوئی کھلے بازار میں تو نہیں چھوڑیں گے کوئی جگہ انہیں بھی تو دینی ہے، میں کفیل ہوں، میں رب العالمین ہوں۔ جگہ دینا، روٹی، کپڑا، مکان میرے ذمے ہے۔ یہ دنیا کے ادھورے بادشاہ بھی اعلان کرتے ہیں کہ روٹی بھی دیں گے، کپڑا بھی دیں گے، تو کیا روٹی دے گا؟ جو اپنی روٹی کا محتاج ہے؟ تو روٹی کیا دے گا؟ روٹی وہ دے گا جو کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اور وہ میں ہوں۔ لہٰذا کپڑا بھی دوں گا، روٹی بھی دوں گا اور مکان بھی دوں گا۔ جو میری مرضی سے آئیں گے، جن کو میں بھیجوں گا اُن کا کپڑا بھی جہنمی ہو گا۔ اُن کا پانی بھی پیپ ہو گی۔ اُن کی غذا بھی آگ ہو گی۔ اُن کا ٹھکانہ بھی دوزخ ہو گا اور یہ میں نے دینا ہے کیونکہ میں رب ہوں۔ میرا ٹھیکہ ہے۔ اور جنہوں نے مجھے اور تجھے مان لیا ہے بھیج! میں نے جنت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ تو معلوم ہوا دوستو! اس خوبصورت کیفیت پر:

ایں نہ دانشند ایشاں از عمیٰ

ہست فرقے درمیاں بے منتہیٰ

حضور نبی رحمت ﷺ کو اپنے درمیان یکساں سمجھنے والو! تمہارا قصور کیا ہے؟ کہ زبان ہے مگر بولتی نہیں، آنکھ ہے مگر دیکھتی نہیں، ہاتھ ہیں مگر پکڑتے نہیں، قدم ہیں مگر چلتے نہیں، دل ہے مگر سوچتا نہیں، مانتا نہیں۔ دماغ ہے مگر سمجھتا نہیں۔ اس لیے ہر جگہ کفر کا غلبہ ہے اور وہ لوگ زبان بند ہے بولتے ہیں، آنکھیں بند ہیں دیکھتے ہیں، کان بند ہیں سنتے ہیں، بیٹھے ہوئے آرام سے جہان کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ فرمایا: اسی لیے کہ وہ میرے ہو گئے۔ جو میرے ہو گئے ہیں تو پھر اپنوں کو دوسروں سے جدا تو کروں گا نا؟ تم دیکھو گے تو تمہاری نظر رکے گی اور میرا بندہ دیکھے گا تو پہاڑ کا سینہ چیر کے بھی نظر نکل جائے گی۔

ایں نہ دانشند ایشاں از عمیٰ

فرقے درمیاں بے منتہیٰ

بے منتہیٰ کوئی حد ہوتی تو ہم کہتے کہ اتنا فرق ہے۔ وہ فرماتے ہیں: جب حد ہی نہیں تو تم کس طرح محدود کرو گے؟ یہ شخص جس نے نبی کو نہیں پہچانا اُس کے اور نبی کے درمیان جو فرق ہے اُس کی انتہا نہیں ہے۔ اگر انتہا ہوتی تو ہم کہتے کہ اتنا فرق ہے۔ زمین اور آسمان کے فاصلے تو ناپے گئے ہیں۔ ایک آسمان کی موٹائی تو معلوم ہو گئی ہے اور سات آسمان کے درمیان پردے اور اُن کی موٹائی ان کا تو اندازہ معلوم ہو گیا۔ عرش کی لمبائی اور چوڑائی کا تو کہہ دیا گیا ہے۔ جہنم کی لمبائی اور گہرائی تو بتا دی گئی ہے اور جنت کی پہنائی بتا دی گئی ہے۔ سمندر کی گہرائی بتا دی گئی ہے۔ سورج کی ہمہ گیری بتا دی گئی ہے۔ لیکن فرمایا: کہ یہ سب حد کے اندر ہیں مگر میرے نبی کا درجہ ان حدود سے آگے ہے۔

اگر حد ہوتی تو ہم بتاتے۔ تو جب حد نہیں تو پھر اے منکر سن! تو اور ہے وہ اور ہیں۔ تو جہنم میں ہے وہ قاسم جنت ہیں۔ یہ کہنا یہ جہنم میں ہیں وہ جنت میں ہیں یہ لفظ کوئی اتنا بڑا نہیں ہے۔ یہ جہنم میں گیا انکار کر کے اور حضور جنت میں جائیں گے سب کو جنت عطا فرما کر۔ اس لیے اللہ رب العالمین نے فرمایا: میرے محبوب ﷺ! میرا وعدہ ہے آپ کو راضی کریں گے۔ اور وہ اُسی سے راضی ہوں گے جو اُن کا ہو کے رہے گا۔

حضرات گرامی! یہاں تین مثالیں انہوں نے اور دی ہیں۔ لیکن اس کو میں یہیں چھوڑتا ہوں کیونکہ مسئلہ لمبا ہو گیا، لیکن مثالیں میں آہستہ آہستہ عرض کر دوں۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ: ہرن اور بکری سینگ دونوں کے ہیں، ٹانگیں چار ہیں، چمڑہ اور بال ہیں، غذا بھی ایک جیسی ہے، پانی بھی ایک جیسا ہے، وہ بھی جنگل میں یہ بھی جنگل میں، وہ بھی پانی پیئے یہ بھی پانی پیئے، وہ بھی پتے کھائے یہ بھی پتے کھائے۔ وہ بھی گھاس کھائے یہ بھی

گھاس کھائے۔ لیکن کیا غذا کا ماحصل خارج ہوا ایک کے پیٹ سے مینگنیں نکلتی ہیں اور دوسرے کے پیٹ میں کستوری بن جاتی ہے۔ تو یہ دونوں ایک ہیں؟ کیا سینگ دیکھ کے کہتی ہے کہ میری بہن ہے؟ دو کان دیکھ کے کہتی ہے کہ میری خالہ ہے؟ میاؤں سن کے سمجھتے ہو خالہ ہے میری؟ شکل تمہاری اس لیے ایک جیسی کرتے ہیں کہ تمہاری لڑائی نہ ہو۔

لیکن جب ہم حقیقت پر سے پردہ اٹھائیں گے پھر تم اور ہو اور وہ اور ہیں۔ اسی لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جنس بشریت میں زندگی کے شب و روز گزارنے والو! بس اتنا ذہن میں رکھنا میری حقیقت میرے رب کے بغیر کوئی نہیں پہچانتا۔

لَمْ يَعْرِفْنِيْ حَقِيْقَةً غَيْرُ رَبِّيْ.

() شرقاوی، شمائل النبی، ص ۸۴

میں جانوں اور میرا رب جانے تم نہیں جان سکتے۔ بتانا بھی چاہوں تو وہ اُس مقام کی بات ہے جہاں آپ کی رسائی نہیں۔ میں آپ کو سمجھانا بھی چاہوں تو متشابہات میں سے ہے۔ متشابہات پر ایمان رکھنا ضروری ہے، سمجھنا ضروری نہیں۔ مقام مصطفیٰ ﷺ، عروج مصطفیٰ ﷺ، انتہائے نبوت جو نبی ﷺ کی ہے جس طرح **الم**، **کھیعص** یہ متشابہات میں سے ہیں ان کے بارے میں اللہ جانے یا اللہ کا رسول ﷺ جانے اسی طرح حقیقت مصطفیٰ ﷺ اللہ رب العزت جانیں یا اللہ رب العزت کے حبیب ﷺ جانیں۔ ہم اتنا ایمان رکھتے ہیں اور رہے گا کہ اللہ رب العزت نے جو اپنے محبوب ﷺ کی حقیقت بتائی ہے وہ ہمارے ادراک سے وراء الوراء ہے۔ اُس پر ایمان ہے سمجھنا ضروری نہیں ہے۔

حضرات گرامی! یہی تو جناب رومیؒ نے مثالیں دے کر ارشاد فرمایا کہ مقام مصطفیٰ ﷺ کو سمجھنے کی کوشش نہ کرو، غلامی کی زنجیر، غلامی کی رسّی، غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال کر مصطفائی زندگی اختیار کرو تا کہ کائنات میں تم معزز ہو جاؤ۔ حقیقت مصطفیٰ ﷺ نہ جانو بلکہ شریعت مصطفیٰ ﷺ کو سمجھو۔ اور جب مصطفیٰ ﷺ کی شریعت کو سمجھو گے تو پھر قریب جاؤ گے۔ اور یہ صرف قال کی منزل ہے اور جو قولِ رسول ﷺ ہے جب قول رسول ﷺ سمجھو گے تو آپ کی رسائی قولِ رسول ﷺ تک ہو گی اور جب قولِ رسول ﷺ سے گزر و گے تو فعلِ رسول ﷺ تک پہنچو گے۔

جب قول اور فعل اخلاص کے ساتھ حدِ کمال کو پہنچیں گے پھر حالِ رسول ﷺ سے واسطہ پڑے گا۔ حالِ رسول ﷺ کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ قولِ رسول ﷺ کے لیے بھی الفاظ ہیں، اعمالِ رسول ﷺ کے لیے بھی الفاظ ہیں، حالِ رسول ﷺ کے لیے احساسات ہیں، یہ وجدانی کیفیت ہے۔ کیفیت جب حرف میں آئے تو کیفیت کیفیت نہیں رہتی۔ لہٰذا کیفیت حرف میں نہیں آ سکتی اور حرف کیفیت کے بغیر نہیں رہ سکتے۔

لہٰذا جناب محمد رسول اللہ ﷺ، اُن کے قول اور اُن کے فعل سے زندگی بنتی ہے اور جب زندگی مکمل ہو جائے اقوال میں، افعال میں، کردار میں، گفتار میں پھر حالِ رسول ﷺ سے واسطہ پڑتا ہے اور دیکھنا ہوتو آنکھیں کھولو۔عمل دیکھنا ہوتو آنکھیں کھولو،نقش پا دیکھنا ہوتو آنکھیں کھولو۔ نبی ﷺ کی محفل دیکھنی ہوتو آنکھیں کھولو۔ نبی ﷺ کا فرمان سننا ہوتو آنکھیں کھولو اور کان متوجہ کرو۔ اور نبی ﷺ کا حال دیکھنا ہوتو گم ہو جاؤ رسول کریم ﷺ کے حال میں اور جب حال مل جائے تو تم بھی بے حال ہو جاؤ گے۔ اور جب تم بھی بے حال ہو گئے تو حال کیا بتاؤ گے؟ وہ ایک ہی ذات ہے حال میں رہ کر دنیا بھی ہے اور دین بھی۔عقبیٰ بھی ہے عالم لاہوت بھی ہے، عالم ناسوت بھی ہے۔

اپنی امت ہے، رابطہ یہاں بھی ضروری ہے کیونکہ امت ادھر رہتی ہے۔ نبی ﷺ اِدھر بھی ہے نبی ﷺ اُدھر بھی ہے۔ اُدھر حال سے ہے اِدھر قال سے ہے۔ ہم چونکہ یہاں بھی رہتے ہیں اس لیے ہمارا تعلق حال اور قال سے ہوگا اور اسی کا نام شریعت ہے۔ اور شریعت اپنے فیضان انڈھیل دیتی ہے۔ پھر طریقت شروع ہوتی ہے۔ طریقت میں جو کیفیت ہے اُس کے لیے لفظ نہیں ہوتا، یہ محسوسات ہیں اور محسوسات کے لیے الفاظ نہیں ہوتے۔ یہ صوفی کا دل جانتا ہے، عاشق کا دل جانتا ہے ورنہ حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھو۔

حضرت ابو ہریرہؓ کو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جاؤ گھر کا بھی خیال کرو، دیر سے ملو محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ گئے اور واپس آ گئے۔ ایک درس میں کل بیان کر چکا ہوں ضمناً پھر عرض کر دوں۔ واپس آئے فرمایا: ابو ہریرہؓ! آپ گئے نہیں؟ گئے تھے رکے نہیں؟ گیا تھا ایک زمانے کے بعد واپس آیا ہوں۔ حضرت جامیؒ یہاں ارشاد فرماتے ہیں: اگر اپنے محبوب کو دیکھوں تو حضرت ابو ہریرہؓ کی کیفیت یہ تھی اگر میں ایک ہزار مرتبہ بھی نبی کریم ﷺ کو دیکھتا ہوں تو پھر بھی اندر سے آواز آتی ہے کہ ایک بار اور دیکھ لے۔

هنوزم آرزو باشد که یک بارِ دگر بینم

حقیقت ہے دوستو! یہ سارا معاملہ محبت کا ہے۔عشق صادق اور کیفیات کا ہے۔ اور جب تک عشق غالب نہ ہو انسانیت کے جوہر کھلتے نہیں ہیں۔ جب تک محبت رہنما نہ ہو محبوب نہیں ملتا اور جب تک عشق جلائے نہ تقوے کا لباس ملتا نہیں۔

آپ چونکہ سب نبی کریم ﷺ کے محبّ ہیں اور سُنّی ہونے کا آسان ترجمہ ہے عشق رسول ﷺ میں گم ہو جانے کا نام ہے کہ ایسا طبقہ جو اپنا ہوش، اپنا خیال، اپنی ماہیت، اپنی طبیعت، اپنی عادت، اپنی خوخصلت نہیں ہے جو ہے محبوب ہی کا ہے۔ یہی سُنّی ہونے کی بڑی دلیل ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروق اعظم، سیدنا عثمان ذوالنورینؓ اور حیدر کرار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم

اجمعین تمام صحابہ کرام حضور نبی رحمت ﷺ کی محبت میں اس قدر محو ہو چکے تھے کہ اُن سے جو بات سنی جاتی تو خوشبوئے رسول ﷺ ہی آتی۔ حضرات! ہمیں اللہ ﷻ بھرپور توفیق عطا فرمائے اور قیامت تک جب تک زندگی ہے ہر آدمی کی اپنی قیامت ہے۔ جب وہ دنیا سے رخصت ہوگا اُس کی قیامت شروع ہو ہی جاتی ہے تو قیامت تک ہمیں ان محبتوں کے حصار میں رکھے۔ وہ قیامت نہ سمجھو جو حشر برپا ہوگا، جب اپنی موت آئے گی تو وہ قیامت سے اور ہر ایک کو قیامت تک نبی پاک ﷺ کی غلامی میں ثابت قدمی عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تمام حاضرین و ناظرین و سامعین جو سامنے تشریف فرما ہیں علماء، فضلا، دانشور، ہونہار یہ تمام دوست جو یہاں تشریف فرما ہیں اور نور ٹی وی کے دیکھنے والے اور اس کے ذریعے پیغام حق اور سوز و گداز کی کیفیت کو محسوس کرنے والے جتنے بھی لوگ ہیں اللہ ﷻ سب کی دنیا اور آخرت روشن فرمائے۔ سب کے دلوں کو نبی پاک ﷺ کی محبت کا قیدی بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ۔

العلم نور
دار العلوم محمدیہ محی الاسلام صدیقیہ

دفتر اوّل

درس دہم

ایں زمین پاك و آں شورست و بد

یہ پاک زمین ہے اور وہ شور وخراب ہے۔

ایں فرشته پاك و آں دیوست ودد

یہ پاک فرشتہ ہے اور وہ بھوت اور درندہ۔

دیو: بھوت/شیطان

دد: درندہ

هر دو صورت گربهم ماند رواست

دونوں صورتیں اگر ایک جیسی ہیں ٹھیک ہے۔

آب تلخ و آب شیریں را صفات

نمکین اور شیریں پانی میں صفائی موجود ہے۔

صفا: میٹھا اور کھارا پانی دونوں صاف ہوتے ہیں۔

جُز که صاحبِ ذوق که کشناسد بیاب

سوائے صاحب ذوق کے کوئی نہیں پہچان سکتا، سمجھ لے

اُو شناسد آبِ خوش از شورا آب

کہ وہ ہی میٹھے اور کھارے پانی کو پہچانتا ہے۔

بیاب: یہ امر کا صیغہ ہے۔

صاحب ذوق: جو چکھ کر ذائقوں میں فرق کر سکے۔

لعنة اللّٰه ایں عمل را در قفا

اس کام کے پیچھے اللہ کی لعنت ہے۔

رحمۃ اللّٰہ آں عمل را در وفا

اس کام میں اللہ کی رحمت شامل ہے۔

قفا: گدی، پیچھے

وفا: وعدہ پورا کرنا۔ دوستی

نَحۡمَدُ وَنُصَلّی وَنُسَلمُ عَلَی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم ﷺ اَمَّا بَعۡد. فأعُوۡذُ بِاللہِ مِن الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡم. بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

الصَّلٰوۃ وَالسَّلَام عَلَیۡکَ یَا رَسُوۡل اللہِ ﷺ وَعَلی آلِکَ وَاَصۡحَابِکَ یَا حَبِیۡبَ اللہ.

سامعین عظام، مقتدر علمائے کرام اور نور ٹی وی کی وساطت سے دور و نزدیک والے خوش بخت سامعین اور استفادہ کرنے والے محبین!

آج اس محفل میں پچھلی چند مثالوں کے ساتھ ایک دو تازہ تر مثالیں پیش خدمت ہیں۔ شاید عنوان آپ کے ذہن میں ہو۔ ایک طوطے نے ایک اچھے بھلے انسان کو اپنے ایک فعل کی نسبت سے عملی صورتاً مشابہت دیکھ کر ہم مرتبہ، ہم جنس و ہم نفس ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ تو جناب رومی قدس سرہ السامیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

یہ جسمانی صورتوں کی مشابہت یا لفظی مشارکت یہ لفظی مشابہت یہ شبہ وارد کر دیتی ہے اور عوام شبہ کا شکار ہو جاتے ہیں اور خواص اس دلدل سے بعافیت نکل جاتے ہیں۔ آپؒ نے ایک بات بڑی مزیدار کہی تھی، میں پھر دھرانا چاہوں گا کہ جیسے طوطے نے کہا تھا کہ میں نے ایک بوتل گرائی تھی تو سر کے چند بال گنوا بیٹھا تو تُو اے میرے مخاطب! اے صاحب ذوق فقیر آدمی! تیرے سر پہ ایک بال بھی نہیں اگر ایک بوتل کے بدلے میں چند بال جا سکتے ہیں تو یہ تیرے سر کا حشر دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ تو نے پورا ڈرم الٹ دیا ہو گا۔ تو اب اس کو یقین ہو گیا کہ بال سر کے اترتے ہی اُس وقت ہیں کہ جب تیل ہی بہایا جائے۔ اس بنا پر اس نے اس کو عملاً اپنا ہم سفر، ہم عمل اور ہم مرتبہ سمجھ لیا تھا۔ اپنے جیسا اس کو سمجھا ہی نہیں بلکہ یقین کر لیا۔

اور رومی رحمۃ اللہ علیہ جواب یہ دیتے ہیں کہ جو اعلیٰ کو ادنیٰ یا اپنے جیسا سمجھنے لگے تو یہ حیوان ہونے کی علامت ہے۔ تم جانور نہ ہوتے تو انسان کو طوطا کیوں سمجھتے۔ تم جانور نہ ہوتے تو اپنے فعل پر اُس کے فعل کو قیاس کیوں کرتے؟ بال اترنے کے اور بھی سینکڑوں اسباب ہو سکتے ہیں لیکن چونکہ اُس کے بال جس سبب سے اترے ہیں یہ اس سبب سے رہائی پا نہ سکا کہ یہی ایک سبب ہے کہ جس سے بال اترتے ہیں۔ تو اترے ہوئے بال جس

آدمی کے دیکھے، ننگے سر آدمی نظر آیا تو اسے اپنی بات یاد آئی کہ بال تو اترتے ہی اُس وقت ہیں کہ جب تیل گرے۔ تو اس نے تیل بہت ہی گرایا ہوگا۔ تو جناب رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: انبیاء علیہم السلام کی بارگاہ میں بے ادبی کرنے والوں نے اپنے جیسا اُن کو سمجھ کر بے ادبی کو روا رکھا تھا۔

ایں نہ دانستند ایشاں از عمٰی

آگے وہ جا کے جو انتہا پہ نتیجہ دیتے ہیں وہ یہ

ایں نہ دانستند ایشاں از عُمٰی
ہست فرقے درمیاں بے منتہٰی

اندھے ہونے کی بناء پر یہ نادان فرق معلوم نہ کر سکے۔ ان کے درمیان تو زمین و آسمان جتنی جدائی ہے۔ اتنا فرق ہے عام و خاص میں اور پھر آخر میں جا کر فرماتے ہیں کہ میری نصیحت ہی سن لو!

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد درنوشتن شیوہ شبیر

پاکبازوں کو اپنی طرح مت سمجھو اور اپنی زندگی کے اندر کثافت، میل کچیل، غلاظت اور طرح طرح کی بدنما حرکات کے بدبودار دھبے دیکھ کر تم دوسروں کو بھی اسی طرح نہ سمجھ لیا کرو کہ وہ بھی ایسے ہی ہوں گے۔ اس لئے ایک جگہ رہنے والے، ایک فضا میں پلنے والے، ایک ہی زمین سے پیدا ہونے والا غلّہ یا پیدا ہونے والی اشیاء استعمال کرنے والے آپ یہ نہ سمجھا کریں ایک ہی زمین کی پیداوار کھاتے ہیں، ایک ہی ماحول میں رہتے ہیں، ایک ہی فضا میں رہتے ہیں، ایک ہی ہوا سے مالا مال ہو رہے ہیں۔ ہم بھی ایک ہیں۔

تو یہاں آ کر حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ بڑے پیار کی بات فرماتے ہیں کہ آپ نے دیکھا ہے کہ دو طرح کی زمینیں ہوتی ہیں ایک فصل والی زمین اور ایک وہ زمین جسے شور والی زمین کہتے ہیں۔ اُس زمین میں سینکڑوں مرتبہ بیج ڈالو فائدہ نہیں ہوتا اور اچھی زمین میں ایک دفعہ بھی بیج ڈالو ہو جاتا ہے۔ زمینیں تو دونوں ہی ملی ہوئی ہیں:

زمین شور و سنبھل بر نیا رد
دروں تخم عمل ضائع مگر داں

یہ شور زدہ زمین زمین تو نظر آتی ہے اس میں محنت نہ کرو تو کبھی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ جس طرح یہ دو زمینیں ہیں اور شکل دونوں کی ایک طرح کی ہے اسی طرح دو انسان ہیں ایک مردود ہے اور ایک محبوب ہے۔

مردود یہ کہتا ہے چونکہ ہم انسان ہیں ہم برابر ہیں لیکن وہ مردود جیسے ایک آدمی حضرت علیؑ کے پاس استہزاء مذاقاً چلا گیا کہ کچھ ان پر اعتراض کریں۔ جا کے کہنے لگا کہ حضرت علیؑ! آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن میں سب کچھ ہے، میں دعویٰ کیا کرتا ہوں ہے بھی سچی بات۔ سچ کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ سب کچھ ہے اس میں۔ وہ تھا گنجا اس کے منہ پر داڑھی کے بال نہ ہونے کے برابر تھے۔ وہ مسکرا کے کہنے لگا پھر قرآن میں میری داڑھی کا ذکر ہے؟ اگر سب کچھ ہے تو میرے چہرے کی جو کیفیت ہے داڑھی نہیں ہے، قرآن میں ہے ذکر؟ تو آپ نے برجستہ فرمایا: تیری داڑھی کا ذکر تو قرآن کے اندر موجود ہے۔تو بتائیں کیسے؟ تو آپؑ نے فرمایا:

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِىْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا.

() الاعراف، ۷: ۵۸

اور جو ستھری سرزمین ہوتی ہے اس کی پیداوار تو اللہ کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس کی پیدوار بہت کم نکلتی ہے۔

وہ زمین جو پلید، ناپاک، گندی اور شورے والی ہے اُس پر فصل ہوتی ہی نہیں۔تو تیری ناپاک صورت میں یہ فصل کیا ہوگی؟ تو وہ چپ ہوگیا۔ بہرکیف زمینیں

شور و سنبھل بر نیارد
دروں تخم عمل ضائع مگر داں

یہ شور و سنبھل والی جو زمین ہے اس میں جتنا بھی فصل ڈالو، بیج ڈالو یہ بار آور نہیں ہوتی۔ اس میں فصل نہیں اُگا کرتی۔ زمین کی جنس ناقص، بے ہودہ، مردود ہے۔ اسی طرح وہ انسان کہ جن کے دل کفر و شرک کی بناء پر چل کے تباہ ہو چکے ہیں وہ مردود ہوگئے ہیں۔ اس کلمہ حق کا پودا اگر آپ لگانا چاہیں تو نہیں لگ سکتا۔ اگر یہ بات بھی نہیں سمجھتے تو صاحب ذوق کے لئے آپؒ ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ کو مثال اور دیتا ہوں۔

ایں زمین پاك و آں شور ست و بد
ایں فرشته پاك و آں دیو ست و دد
هر دو صورت گر بهم ماند روا ست
آب تلخ و آب شیریں را صفات

پانی چلتا ہے، میٹھے پانی کا یہ دریا بہہ رہا ہے کڑوے پانی کا اور دونوں ساتھ ساتھ جا رہے ہیں۔ رنگ ایک ہے، روانی ایک ہے، لہریں ایک ہیں، کیفیت ایک ہے، گہرائی ایک ہے، لمبائی ایک ہے، چوڑائی ایک جیسی

ہے مگر ایک میٹھا ہے اور ایک کڑوا ہے۔ تو یہاں آ کے وہ فرماتے ہیں:

هر دو صورت گر بهم ماند روا ست
آب تلخ و آب شیریں را صفات

تلخ پانی، میٹھے پانی اکٹھے چل رہے ہیں لیکن دیکھتے رہو فرق نہیں کر سکتے۔ صفات دیکھتے رہو فرق نہیں کر سکتے۔ پاگل ہو فرق نہیں کر سکتا، بے وقوف ہو فرق نہیں کر سکتا، اندھا ہو فرق نہیں کر سکتا۔ ذائقہ کی قوت سلب ہو جائے فرق نہیں کر سکتا اور اگر وہ بالکل دیوانہ لا یعقل ہو فرق نہیں کر سکتا اور مطلق حیوان بن جائے تو فرق نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس کے اندر فرق معلوم کرنے کے لئے قوت چاہیئے اس قوت کی طرف جناب رومیؒ اشارہ فرماتے ہیں کہ:

جز کہ صاحب ذوق کشناسد بیاب
او شناسد آب خوش از شورا آب

میٹھے اور کڑوے، تلخ و شیریں پانی کے درمیان اگر فرق کرنا ہو تو صحت مند آدمی چاہیئے، عقل اس کی درست چاہیئے۔ نظر اُس کی ٹھیک چاہیئے، ذوق، لقمہ محسوس کرنے کی صلاحیت چاہیئے، فرق ان کے درمیان سمجھنے کی قوت چاہیئے۔ تو اسی لئے فرماتے ہیں:

جز کہ صاحب ذوق کہ شناسد بیاب

جب تک صاحب ذوق نہ ہو، جب تک شناسائی نہ ہو، جب تک رسائی نہ ہو، جب تک عقل و ادراک کی قوت کامل نہ ہو اُس وقت تک وہ معلوم نہیں کر سکتا۔ تو جب میٹھے پانی اور کھارے پانی، کڑوے پانی اور میٹھے پانی، آب تلخ اور آب شیریں کے درمیان عقل کے بغیر ذوق طعم کے بغیر اور ذوق صلاحیت کے بغیر اور مزاج شناسی کے بغیر تو پانی کا ذائقہ معلوم نہ کر سکے تو انبیاء علیہم السلام کی نبوت کی شان معلوم کرنے کے لئے تیری عقل کیا کام کرے گی؟

یہاں تو جبریلی ذوق چاہیئے، یہاں تو میکائیل کا ادب چاہیئے، یہاں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل چاہیئے، یہاں تو فاروق اعظمؓ کی نظر چاہیئے، یہاں تو عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا تقویٰ چاہیئے، یہاں تو حضرت علی المرتضیٰؓ کے رکوع وسجود کے بعد جو طہارت پیدا ہوتی ہے اُس طہارت میں جو نور آتا ہے اُس نور سے نورِ نبوت دیکھا جاتا ہے۔

اس لئے ہر ایک تو سمجھتا ہی نہیں۔ لہٰذا تمہیں اگر نورِ نبوت اور کیفیت بشریت کے درمیان کچھ معلوم کرنا

ہوتو پھر صاحب ذوق ہونا پڑے گا اور صاحب ذوق کے لئے صاحب عقل ہونا اور صاحب عقل کے لئے صاحب علم ہونا ضروری ہے۔ چونکہ عقل ہو علم نہ ہوتو پھر بھی کچھ نہیں۔علم ہو اور عقل نہ ہو پھر بھی کچھ نہیں۔عقل ہو ذوق نہ ہوتو پھر بھی کچھ نہیں۔ پہلے عقل چاہیے، عقل کے لیے علم چاہیے، علم کے لیے ذوق چاہیے، ذوق کے لئے تجربہ چاہئے، پھر جا کے حقیقت کھلتی ہے۔تو تُو اگر حقیقت نبوت اور حقیقت معجزہ، حقیقت کرامت اور حقیقت ولایت اور حقیقت بندگانِ خدا سمجھنا چاہے تو پہلے ایمان کامل چاہئے۔ پھر خلوص چاہئے، پھر عشق چاہئے، پھر ادب چاہئے، ادب کے بعد طہارت، علم، اخلاص اور تقویٰ چاہئے۔تقویٰ کے بعد جو تفقہ فی الدین ملتی ہے اُس کی جو نورانی شعائیں ملتی ہیں اُس سے کرامت دیکھی جاتی ہے۔ اُس سے معجزہ دیکھا جاتا ہے اور جب کرامت نظر آئے تو کرامت کی اہمیت معلوم ہوگی کہ کرامت کس کو کہتے ہیں؟ کرامت کی حقیقت کیا ہے؟ کرامت کا مزاج کیا ہے؟ کرامت کی حجت کیا ہے؟ جب یہ سمجھو گے تو یقیناً اعلیٰ صفت ہے۔

اور یہ کتنی اعلیٰ صفت ہے؟ کتنے بالا مقصد کے ظہور کا سبب ہے اس کو سمجھو گے تو جس وجود سے کرامت صادر ہوگی پھر اُس وجود کے ساتھ جو محبت پیدا ہوگی اُس محبت کو تولنے کے لئے کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ کوئی معیار آپ ایسا نہیں قائم کر سکتے جس کے ذریعے یہ ثابت ہو کہ جس سے یہ کرامت ظاہر ہوئی ہے اُس سے محبت کتنی چاہئے؟ محبت کرنا کوئی مزاج ہے؟ نہیں محبت کا کوئی مزاج نہیں، محبت تو صرف راج کرنا جانتی ہے۔ محبت کے اندر اپنائیت، اپنی سوچ، اپنے ارادے، اپنے قیافے، اپنے ولولے یہ سب ختم ہو جاتے ہیں صرف محبوب ہی کی بات ہے۔ اور کرامت اُس فرد سے صادر ہوتی ہے جو نبی کریم ﷺ کی اطاعت میں کامل ہو جائے۔

یہاں ایک سوال ہے۔ اہل علم حضرات تشریف فرما ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک قلندر ایسا جس کے ہوش ٹھکانے ہی نہیں، نماز وہ نہیں پڑھتا، طہارت کا اسے پتہ نہیں، بیس دن کپڑے تبدیل نہیں کرتا، کبھی نماز پڑھتے دیکھا نہیں، روزہ جیسے فرض ہی نہیں ہوا اور زکوٰۃ اُس پر واجب ویسے ہی نہیں، مکان اس کا نہیں ہے، اس کی خوراک واضح ہی نہیں ہے۔ بیوی بچے اس کے نہیں ہیں اور کرامتوں کے انبار لگے ہیں۔ دنیا پیچھے لگی رہتی ہے۔ وہ تو متابع سنت نہیں ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ کی شریعت کا پابند نہیں ہے تو یہ ظہور کرامت کیسے ہو رہا ہے؟ اس کے متعلق کیا کہیں گے آپ؟

حضرات گرامی! اس کا مختصر آسان جواب جو میرے ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس حال میں پہنچنے سے پہلے کیا حال اس کا تھا؟

کیا وہ پیدائشی اسی طرح سے ہے؟ یا جوانی یا بڑھاپے کی کسی ایک منزل میں جا کے کہیں اس منزل میں پہنچا؟ تو اس منزل سے پہنچنے سے پہلے کیا وہ متقی نہیں تھا؟ کیا وہ عالم نہیں تھا؟ کیا وہ زاہد نہیں تھا؟ کیا وہ شب زندہ دار نہیں تھا؟ کیا وہ روزہ دار نہیں تھا؟ کیا وہ پاکیزہ نظر والا نہیں تھا؟ کیا وہ پاکیزہ گفتگو والا نہیں تھا؟ کیا وہ پاکیزہ

آواز والانہیں تھا؟ کیا وہ پاکیزہ مطہر جستجو والانہیں تھا؟ کیا راتوں کو سجدوں میں رونے والانہیں تھا؟ کیا قیام میں دن گزارے والانہیں تھا؟ کیا دن بھر روزہ نہ رکھتا تھا؟ کیا رات بھر سجدے نہ تھے؟ اچانک جو پردہ اٹھا تجلی جو اس کے مغز پر آئی اور مغز سے دل پر آئی تو ہوش و خرد قربان ہو گئے۔

اب جا کے دیوانہ ہوا اور جب تک وہ دانا تھا اس وقت تو سجدے تھے اور جب دیوانہ ہوا تو وصل کی منزل پہ چلا گیا۔ وصل کی منزل میں گیا تو معلوم ہوا نہیں ملتا کسی کو کچھ بجز اطاعت مصطفیٰ ﷺ کے۔ لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ یہ اب تو اطاعت مصطفیٰ ﷺ میں نہیں۔ یہ جو کچھ اب ملا ہے نتیجے کے طور پر ہے۔ نتیجے پر پہنچنے سے پہلے یہ رسول پاک ﷺ کی غلامی، عشق و اطاعت کی بناء پر ملا ہے اور جب انسان عقل و ہوش و خرد کی سرحدوں سے عبور ہو جاتا ہے نا، عقل و ہوش و خرد کی سرحدوں کو عبور کرتا ہے علم و شریعت پیچھا نہیں کرتے وہ چھوڑ دیتے ہیں اس کو۔ میں آپ کو مثال ایک اور سناؤں آپ کو مثال بھی پسند آئے گی۔

حاضرین! توجہ فرمایئے! عشق کی باتیں ہیں اور عشق والے ہی ان کی قدر افزائی کرتے ہیں۔ میرے عزیز ساتھیو! آپ نے دیکھا ہو گا شرعی طور پر زکوٰۃ صاحب مال پر لگتی ہے۔ لیکن فصل پر عشر ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ کیا یہ خشک زمینیں ہیں، صحرائی زمینیں ہیں یا یہ آبی زمینیں ہیں؟ اگر آبی زمینیں ہیں تو ان پر اور زیادہ لگان لگتا ہے اور یہ خشک ہیں تو ان پر تھوڑا لگتا ہے۔ لیکن آباد زمین پر ہی عشر واجب ہے۔ جو زمین آباد نہ ہو اس پر عشر واجب نہیں ہے۔

تو دوسرے معنیٰ میں جب تک آدمی عقل و ہوش کے دامن کے اندر ہے شریعت کی پابندی ہے اور جب عقل و ہوش سے نکل کر محبوب کے پہلوؤں میں گم ہو کر عقل قربان کر گیا تو عشق والے کو شریعت بھی آزاد کر دیتی ہے۔ اچھا دیکھئے! جب آدمی سو جائے آپ اسے کہتے ہیں السلام علیکم؟ نہیں کہتے نا؟ کیوں؟ کیا وہ مر گیا ہے؟ مرا تو نہیں ہے۔ سلام اس لئے نہیں کہتے کہ سنتا نہیں اور اس پر اس وقت شریعت کا پہرا نہیں۔ بندہ سو گیا شریعت کے پہرے سے آزاد ہو گیا۔ اب اس پر نماز فرض نہیں، حج، زکوٰۃ فرض نہیں، وظائف و نفل فرض نہیں، تلاوت فرض نہیں، عبادت فرض نہیں، کچھ بھی نہیں۔ جاگے گا، ہوش میں آئے گا سب فرائض اس کی طرف لوٹ آئیں گے۔

جب سو گیا تو مومن دیکھتا ہے کہ یہ مومن تو سو گیا ہے۔ جب شریعت نے اس کو آزاد کیا ہے تو السلام علیکم کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ معلوم ہوا جب عقل و ہوش کی حد سے نکل جائے شریعت آزاد کرتی ہے اور جو زمینیں آباد ہوتی ہیں اُن پر لگان ہے۔ ان پر عشر ہے اور جنگلات پر بھی عشر ہے؟ جنگلات پر بھی مالیا ہے۔ حکومت تو آپ سے لگان لے گی، عشر لے گی، مالیہ لے گی۔ اگر آپ نے زمین آباد کی ہے لیکن جنگل مالیہ لینے کی بجائے اس کا معاوضہ مقرر کر دیتی ہے۔ اس لیے بندہ عقل و ہوش میں ہو شریعت مالیہ لیتی ہے اور جب عقل و

ہوش سے گزر جائے مالیہ کیا لے گی۔ اس پر تو پہرے دار کھڑے کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر اس کو اور بھی آسان کر دوں۔ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جنہاں ھک گھٹ بھر کے پیتا وحدت دے مَدلالوں
علم کلام ناں یاد رھیو نہیں گزرے قال مَقالوں

قال مقال شریعت کی حد کو کہتے ہیں بول چال کو نہیں۔ قال مقال شریعت کی حد ہے۔ جب شریعت کی حد سے نکل گیا تو شریعت کی گرفت بھی ختم ہوگئی۔ جب گرفت ختم ہوگئی تو کہاں نماز؟ کہاں کچھ؟ نماز تو پڑھتے اس لئے ہیں کہ محبوب ملے اور جب محبوب ملے تو ایسا ملے کہ جدائی ہو نہ سکے۔ تو پھر نماز کیسے ہوگی؟ سو اس بناء پر حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جز کہ صاحب ذوق کہ شناسد بیاب
او شناسد آبِ خوش از شورا آب

کہ یہ جو فرق کرنے والا ہے نا پہلے چاہئے کہ اس کی عقل ٹھیک ہو۔ اس کے بعد اس کا علم ٹھیک ہو، اس کے بعد اس کا ذوق کامل ہو۔ یہ چیزیں جب مکمل ہوں تو پھر وہ امتیاز پیدا کر سکتا ہے۔ اور جو اپنے اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان، جو اپنے اور اولیاء کے درمیان، اور جو پاکانِ حق اور اپنے درمیان فرق نہیں کر سکتا معلوم ہوا نہ وہ صاحب عقل ہے، نہ وہ صاحب ذوق ہے اور نہ وہ صاحب علم ہے۔ وہ حیوان ہی حیوان ہے، وہ حیوان ہے۔

حضرات گرامی! میں ایک خوبصورت بات عرض کر دوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی باتیں سن کر ایک شخص دل کو اپنے اختیار سے گنوا بیٹھا۔ دل اس کے اختیار میں نہ رہا۔ جستجو بڑھتی گئی۔ وہ تلاش میں نکلا، مکہ مکرمہ پہنچا تو نبی پاک ﷺ کے غلاموں میں سے کسی ایک سے پوچھتا ہے کہ یہ کعبہ شریف ہے؟ یہیں ہیں محمد رسول اللہ ﷺ؟ کیا تم نے نہیں دیکھا اُن کو؟ میں نے نہیں دیکھا۔ میں دیکھنے کا متمنی ہوں۔ اور میں حیران ہوں کہ جو اپنا آپ دکھائے بغیر بھی دل لے لیتا ہے وہ جب اپنا دکھاتے تو کیا عالم ہوگا؟ جس کی باتیں ہی بندے کو بے اختیار کر دیں اُس کی ملاقاتیں کیا رنگ لگائیں گی؟

اچھا یہ وہی ہیں نا جن کے بارے میں سنا تھا کہ سورج کو واپس پلٹایا تھا؟ ہاں یہ وہی ہیں۔ ارے بشر ہو کر سورج واپس لائے؟ پھر خیال آیا بشر تو میں بھی ہوں۔ اگر میرا حکم سورج نہیں مانتا تو ان کا حکم مانتا ہے؟ پھر معلوم ہوا لباس بشریت میں ہیں حقیقت کچھ اور ہے۔ ارے وہ یہی ہیں جن کے متعلق ایک ریچھ نے جب بکری پکڑی کھانے کے لئے پھاڑنے چیرنے پر تیار ہوا تو ریوڑ کا مالک گڈریا آ گیا اس نے ایک لاٹھی ماری اس کی

پیٹھ پر وہ بکری چھوڑ کر ایک ٹیلے پر جا کے بیٹھ گیا۔ وہ گڈریے کی طرف منہ کر کے کہنے لگا: مجھے حیرت ہے کہ میرا رزق تو نے چھین لیا ہے۔ مجھے افسوس بھی ہے لیکن حیرت ہے کہ تو نے میرا رزق چھین لیا ہے۔ اس عرب چرواہے نے اس کی طرف دیکھ کے کہا کہ مجھے تو اس بات پر حیرت نہیں کہ بکری چھڑائی، حیرت تو اس بات پر ہے کہ تو ریچھ ہو کر بول رہا ہے۔

جانور ہو کر تو باتیں کر رہا ہے اور وہ بھی انسانوں کی طرح فصیح و بلیغ عربی بول رہا ہے۔ تو ریچھ کیا جواب دینے لگا۔ تو اس پر حیران ہو گیا ہے؟ کائنات تو اس پر حیران ہے دو جہان کی خبر دینے والا نبی ﷺ آیا ہے تو لوگ پھر بھی نہیں مانتے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں آپس میں تو وہ شخص کہتا ہے: ایسا ہوا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ دو جہاں کی خبر سنانے والا ایک بشر ہے؟ لیکن مجھے یہ دو جہان کی خبر سنانے کی قوت ملی۔ یہاں معلوم ہوا وہ بھی بشر ہیں میں بھی بشر ہوں، مگر وہ عرشی ہے ہم فرشی ہیں۔ معلوم ہوا وہ اعلیٰ ہیں، ہم ادنیٰ ہیں۔ وہ کامل ہیں بلکہ وہ کامل گر ہیں وہ عاموں کو خاص بناتے ہیں، خاصوں کو کامل بناتے ہیں اور صاحب کمال کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ محبت اور بڑھ گئی۔ اچھا پھر ملتے ہیں، چلئے تو سہی نا۔ آگے حضور نبی ﷺ وسلم طواف کر رہے تھے اور صحابہ کرام علیہم السلام پیچھے پیچھے۔ چونکہ اسے معلوم نہیں تھا نبی پاک ﷺ کے آگے جو جگہ خالی تھی پیچھے تو تھے باقی حضرات خالی جگہ پہ جا کے وہ بھی طواف کرنے لگ گیا۔ لیکن وہ طواف اس انداز سے نہیں کر رہا تھا کہ میرے پیچھے کوئی ہے۔ وہ کچھ پڑھ رہے ہیں۔ وہ اپنی لے میں ڈوبا ہوا ہے اور اپنی مئے میں مست۔ اپنی لے میں ڈوب گیا۔ انداز الفت ایسے کہ سب کو بولتا دیکھ کر وہ بھی بول پڑا۔ وہ یہ دیکھتا ہے یہ کعبہ کس کا گھر اور وہ بڑا ہی کریم ہو گا۔ یہ کیا عجیب تماشہ ہے باقی کچھ اوراد نہ کچھ دعائیں نہ یاد تھیں اور نہ اسے چاہیئے تھیں۔ نہ یاد کرنا تھیں نہ اسے چاہیئے تھیں۔

خدا کی طرف خیال گیا وہ تو کریم ہو گا۔ پھر یا کریم کی صدا بلند کی۔ یا کریم، یا کریم، یا کریم، یا کریم تو نبی پاک ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی طرف منہ کر کے فرمایا: چھوڑ دو ساری دعائیں۔ یہ مست دیوانہ جو کہہ رہا ہے یہی کہتے چلو۔ تو حرم کی ساری فضا گونج اٹھی یا کریم، یا کریم، یا کریم، یا کریم۔ اُس نے جب فضا کو گونجتا ہوا دیکھا قدم رُک گئے۔ وہ جب رکا تو حضور ﷺ بھی رُک گئے، وہ چل پڑا تو حضور ﷺ رواں ہو گئے۔ ایک چکر اسی طرح گزرا تو وہ کھڑا ہو گیا جھنجھلا کے پیچھے پلٹ کر دیکھا میں چلتا ہوں تو یہ لوگ چلتے ہیں، میں رکتا ہوں تو یہ لوگ رکتے ہیں، یہ کون ہیں؟ کیا تماشہ ہے یہ؟

چہرۂ اقدس پر نظر پڑی لگی رہی پھر واپس نہیں آئی۔ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم حیرت زدہ ہو کے دیکھ رہے ہو، نووارد مسافر لگتے ہو۔ کہاں سے آئے ہو؟ کدھر آئے ہو؟ کیوں آئے ہو؟ کب آئے ہو؟ تو اس کے دل میں خیال آیا آدمی خوبصورت ہے صرف یہ خیال آیا کہ کہ کتنا خوبصورت آدمی ہے کہ میرے

دارالعلوم محمدیہ محی الاسلام صدیقیہ

غصے کو اس نے کس طرح محبت میں تبدیل کر دیا ہے تو آخر بولنے پر مجبور ہوا تو کہنے لگا: جانتا تو نہیں ہوں آپ کون ہیں آپ کو دیکھ کر میرا دل نرم نہ ہو جاتا نا تو میں آپ کی شکایت اپنے نبی سے کرتا۔ آپ کی شکایت اپنے نبی کے پاس لے جاتا۔ نبی پاک ﷺ مسکرائے تو فرمایا: بتا سکتے ہو وہ کون سا نبی ہے جو تیری زبان سے میری شکایت سنے گا؟ وہ نبی حد ادراک میں ہوں تو بولوں۔ الفاظ اس کی صفات کا گھیرا کر سکیں تو بولوں۔ زبان اس کی شان کے مطابق کچھ کہہ سکے تو بولوں۔ فرمایا: کوئی نشانیاں ہی بتا دو؟ اس کی بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ جب چلتے ہیں تو ان کے جسم کا سایہ نہیں ہوتا اور اس پر محدثین لکھتے ہیں:

وأنه اذا مشى في الشمس أو في القمر لا يكون ظل لأنه كان نورا وأنه وقع شيء من شعره في النار لا يحترق.

() قسطلانی، السیرة الحلبیه، ۳: ۴۲۲

جب حضور ﷺ سورج کی دھوپ میں چاند کی چاندنی میں چراغ کی روشنی آپ جلوہ فرماتے، چلتے تو جسم پاک کا سایہ نظر نہیں آیا کرتا تھا۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: سایہ دیکھنا چاہتے ہو کہ سایہ ہے یا نہیں؟ ہاں میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ دیکھو سورج ہے نا؟ کہنے لگا: ہے۔ صحابہؓ ذرا دائیں بائیں ہو جاؤ، آپ ﷺ نے فرمایا: دیکھ لو۔ اب اس نے دائیں بائیں دیکھا کہ سورج تو عین خط استواء پر ہے سایہ تو پاؤں میں ہونا چاہئے۔ دیکھا تو نہیں تھا سایہ۔ دو قدم چل کے دیکھا یا نہیں ہے سایہ۔ مگر کیا شان ہے میرے نبی ﷺ کی کاش! وہ ملتے تو میں آپ کو بتاتا کہ میرے نبی ﷺ کی شان کیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی اور مثال بھی بتاؤ نا؟ چہرہ اُن کا اللہ غنی میں کیا عرض کروں۔ ذرا غور تو کرو میرے چہرے کی طرف۔ کچھ تو سنا ہوگا نا؟ ملاقات تو پہلی ہے لیکن کچھ تو سنا ہوگا۔ اس سننے سنانے میں جو باتیں یاد رہیں ذرا ان کو سامنے تو لاؤ۔ میرا چہرہ تو دیکھو۔ دیکھا کَاَنَّهٗ هُوَ ایسا لگتا ہے یہ تو وہ یہی چہرہ ہے لیکن کیا کہنے میرے نبی ﷺ کے، کاش! وہ ملتے تو میں آپ کو بتاتا یہ ہیں میرے نبی ﷺ۔ ارے ابھی یقین نہیں آیا پھر کیا کمی تجھے محسوس ہوئی؟ کیا زلف ہے میرے محبوب ﷺ کی۔ وہ زلف کے جو پیچ ہیں نا اس کے اندر فرشتے بھی لٹکے ہوتے ہیں۔

دل قربان ہو گئے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے زلف اٹھا کر جب دکھائی نا وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى عرض کیا: لگتا ہے یہ وہی زلف ہے مگر نہیں مانتا۔ تو پھر کیسے مانو گے؟ ایک شرط پوری ہو جائے تو پھر فیصلہ کر لوں گا۔ وہ کون سی شرط ہے؟ کہ وہ شانہ اقدس کے درمیان ایک مہر لگی ہوئی ہے اس میں لکھا ہوا ہے محمد رسول اللہ ﷺ، یہ ازلی ثبوت ہے خاک نشینوں کو مطمئن کرنے کے لئے رب العالمین جل جلالہ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کیا دکھا سکتے ہیں؟ سید عالم

ﷺ دیکھئے کس کس بات پر ایک ایک جلوہ نمائی فرماتے جا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے کرتہ مبارک پشت اقدس سے اٹھایا۔ اس نے کہا: میں نہیں مانتا۔ عجیب آدمی ہو تم نہیں مانتے؟ میں نے ابھی پڑھا ہی کچھ نہیں کوئی نشان تو ہے اور بھی کچھ ہو سکتا ہے۔ عرض کیا: قریب ہو کے دیکھ لوں؟ فرمایا: قریب ہو جاؤ۔ جب قریب ہوا تو کہنے لگا: اگر حکم ہو تو میں اور قریب ہو جاؤں؟ فرمایا: اور قریب ہو جاؤ۔ تو پڑھتا ہے معاملہ درست ہے یقین نہیں ہوا اگر اجازت ہو تو میں اور نزدیک ہو جاؤں پھر غور سے دیکھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا جی چاہے نزدیک ہو کے شک کو یقین میں تبدیل کر لو۔

جب بالکل ہی قریب ہوا تو اپنے دونوں لب مہر نبوت پر رکھ لیے اور عرض کیا: سچ ہے کونین کے مختار محبوب ﷺ آپ ہی ہیں۔ سچ ہے دو عالم کے بے مثل، بے عیب محبوب آپ ہیں۔ یہ کہہ کے نا چوم کے پاؤں مبارک پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھ گیا۔ ہاتھ پاؤں اقدس پہ رکھ کے بیٹھ گیا اور حضور نبی کریم ﷺ نے ایک ہاتھ اس کے سر پہ رکھا اور دوسرا دست شفقت کعبہ کی دیوار کے ساتھ لگا لیا۔ ذرا چشم خیال سے دیکھو ذرا تصور کی آنکھوں سے دیکھو! کیا عالم ہوا ہو گا۔ وہ سینکڑوں صحابہ کرامؓ، کعبہ اور ایک عاشق اور محبوب کبریا ﷺ۔ اُس کے سر پہ ہاتھ رکھے ہوئے اس منظر کر پیش فرما رہے ہیں تو اس دوران سید عالم علیہ السلام نے کلمہ پڑھ کے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ حساب لے گا اچھوں سے بھی لے گا بروں سے سخت ہو گا اچھوں سے حسابًا یسیرًا بڑا سستا سا حساب ہو گا۔

وہ تڑپ کے کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ اللہ کے محبوب میرے آقا میرے رسول ﷺ، اللہ کے محبوب، دو عالم کے آقا ﷺ ہیں۔ میں آپ ﷺ کو گواہ بنا کے کہتا ہوں: اے اللہ کے محبوب ﷺ! اپنے رب سے آپ کہہ دیں چونکہ آپ کی ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں آپ اس سے باتیں کرتے ہیں وہ آپ سے باتیں کرتا ہے۔ آپ ﷺ اپنے رب کو بتا دیں میرے حوالے سے میرا حساب نہ لے۔ اگر اس نے میرا حساب لیا تو پھر میں اُس کا حساب لوں گا۔ اگر خدا نے میرا حساب لیا تو پھر میں خدا کا حساب لوں گا۔ ارے عجیب آدمی ہو تم؟ وہ مالک ہے تم مملوک ہو۔ وہ خالق ہے تم بندے ہو، وہ حساب لے گا تمہیں حساب دینا ہے۔ تُو کیا حساب لے گا؟ اُس کو حساب کی ضرورت کیا پڑی؟ حساب تو ہم نے دینا ہے ارے تو کیا لے گا؟ خدا ہماری معصیت دیکھے گا ہم اُس کی رحمت دیکھیں گے۔ خدا ہمارے گناہ دیکھے گا ہم اُس کی عطا دیکھیں گے۔ خدا ہماری لغزش دیکھے گا ہم اُس کی بخشش دیکھیں گے۔ دیکھتے ہیں فیصلہ کس کے حق میں ہوتا ہے۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ جبریل امین علیہ السلام آئے اور آ کے عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ ﷺ! خدا نے مکالمہ بہت خوبصورت سنا ہے۔ یہ گفتگو اللہ رب العزت کو بڑی پسند آئی۔ بڑے پیار سے رب نے سنا۔ اب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے بھیجا کہ میرے محبوب ﷺ ان دیوانوں کو کہہ دو: نہ ہم تمہارا حساب لیں نہ تم ہمارا حساب لو۔

اس قسم کے وہ لوگ جو عشق میں فنا ہو گئے ہیں اور فنا سے گزر کر وادی بقاء میں جی رہے ہیں اُن لوگوں کو پہچاننے کے لئے ان ہی کی نسبت کا آدمی چاہئے۔ ان کو دیکھنے کے لئے وہ نظر چاہئے جس نظر سے انھوں نے کائنات میں چھان کر اپنا محبوب چنا ہے۔ ان کے لئے وہ علم وہ عقل چاہئے جس میں دنیا کی کثافت، میل کچیل کا کوئی اثر نہ ہو۔ یہاں آگے حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ بہت خوبصورت و آخری بات فرماتے ہیں:

لعنۃ اللّٰہ ایں عمل را در قضا
رحمت اللّٰہ آں عمل را در وفا

یہ دو قسم کے آدمی ہیں ایک پر رحمتِ خدا ہے اور دوسرے پر لعنت خدا ہے۔ جس پر لعنت ہے وہ رحمت والے کو کیا پہچانے گا؟ رحمت والے عرش پہ رہتے ہیں اور زحمت والے فرش پہ رہتے ہیں۔ فرش والے عرش والوں کو کیا جانیں؟ البتہ عرش والا جب توجہ کرے تو وہ تو نیچے دیکھے تو اس کی نظر یہاں بھی وہاں بھی ہے لیکن جو فرش کی غلاظتوں میں ڈوب گیا ہے اسے کیا پتا کہ جو مکھی شہد کے اوپر بیٹھ جائے وہ اٹھ نہیں سکتی۔ دنیا کی غلاظتیں دنیا داروں کو شہد کی طرح میٹھی لگتی ہیں جن کا دل دنیا میں ڈوب گیا ہے وہ فضاؤں میں پرواز کرنے والے شہباز کی پرواز کو کیا سمجھیں گے؟

جیہڑی مکھی قید شہد وچ ہوئی
اس کی اڈناں نال شہبازاں ہو

اس لئے فرمایا:

لعنۃ اللّٰہ ایں عمل را در قفا
رحمۃ اللّٰہ آں عمل را در وفا

دنیا کے ذلیل لوگوں کے لئے جو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرامؒ کو اپنے جیسا سمجھ کر اور اپنی مثال کہہ کے بار بار گستاخی کرتے ہیں خدا کی لعنت ہے اُن پر اور جو اللہ رب العالمین کے دوستوں کو بے مثل سمجھ کر ان کی غلامی میں زندگی گزارتے ہیں رحمت ہو اُن پر۔

حضرات گرامی! شکر ہے ہم اُس جماعت میں ہیں جس جماعت کی ابتداء بھی ادب پر ہے، وسط بھی ادب پر ہے اور انتہاء بھی ادب پر ہے۔ جس جماعت میں حیاء ہے، جس جماعت میں وفا ہے، جس جماعت میں رحمت خدا ہے اور جس جماعت کا مالک اور پرسان حال اور راہنما حبیب کبریا ہے۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبه محمد ﷺ و آله و أصحابه أجمعین.

نور العلم
دارالعلوم محمدیہ محی الاسلام صدیقیہ